کہکشاں

حصّہ اوّل

گیارہویں جماعت کے لیے

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

محکمۂ تعلیم، حکومت بہار سے منظور

● صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (SCERT) بہار، پٹنہ کے تعاون سے پورے صوبۂ بہار کے لئے

© بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن، لمیٹڈ، پٹنہ

Re-Print	2010	50,000
Re-Print	2015	20,000

قیمت: Rs. 61.00

﴿ شائع کردہ ﴾

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن، لمیٹڈ

پاٹھیہ پستک بھون، بدھ مارگ، پٹنہ۔ 800001

مطبوعہ: نیشنل پرنٹنگ ورکس، گن گن سنگھ لین، پٹنہ۔٦

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

کہکشاں

اردو کی درسی کتاب گیارھویں جماعت کے لیے

حصّہ اوّل

Urdu Textbook for Class XI
Part - I

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلیشنگ کارپوریشن لمیٹیڈ، پٹنہ

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

اپنی بات

اس بار بہار ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن کی جانب سے اسٹیٹ کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، بہار کی جانب سے تیار شدہ زبان وادب کی بالکل نئی کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔ زندگی جتنی تیزی سے بدل رہی ہے، اس کی وجہ سے ہمارے نظامِ تعلیم میں نئے طریقے سے نشانات بھی مقرر کیے جارہے ہیں۔ اپنے نصاب کی جدید کاری اور نئی نسل کی ضرورت کے لیے بہترین درسی کتابیں تیار کرنا ہمارا قومی فریضہ ہے۔ ہمیں اس بات پر بھی نظر رکھنی ہے کہ قومی سطح پر مختلف مضامین کی کتابوں کا معیار کیا ہے اور کیا ہم اُن کے برابر یا اُن سے بہتر اپنی کتابیں تیار کر پار ہے ہیں؟

موجودہ کتاب کی تیاری میں ہمارے ماہرین نے انھی اصولوں کا خیال رکھا ہے۔ جب تک ہمارا نصابِ تعلیم معیاری نہ ہوگا اور اس کے مطابق مناسب درسی کتاب تیار نہ کردی جائے، اس وقت تک ہم اپنے ہونہار طالب علموں کی ضرورتوں کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے۔ یہ کتاب ایک نئے جوش اور جذبے کے ساتھ تیاری کی گئی ہے۔ جس میں ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ طلبہ کو اسباق کے سمجھنے میں زیادہ سے زیادہ سہولت ملے؛ اساتذہ کو تدریس کے دوران درسی کتاب کے ذریعے بھرپور تعاون مل سکے اور ہمارا طالب علم چلتے پھرتے ہی زندگی کی بڑی بڑی باتیں اور علم وادب کے گہرے رموز سیکھتا جائے۔ اس کے لیے اسباق کے متن پر بھرپور تجزیاتی مشقیں شامل کی گئی ہیں تاکہ طالبِ علم کسی پریشانی میں نہیں پڑے۔

بہار ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن کی جانب سے میں ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کے ڈائرکٹر، بہار اسکول اکزامینیشن بورڈ (سینیر سکنڈری) کے ڈائرکٹر (اکادمک) اور نصاب اور درسی کتاب کمیٹی کے اکادمک کوآرڈینیٹر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی توجہ سے ماہرین کا تعاون حاصل کیا جاسکا۔ میں اورینٹل لینگویجز کمیٹی کے چیرمین کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی نگرانی میں اردو، فارسی اور عربی کی درسی کتابیں تیار کرائیں۔

یہ کتابیں آیندہ اشاعتوں میں مزید رنگ وروغن کے ساتھ شائع کی جاسکیں گی لیکن موجودہ اشاعت میں سادگی میں پُرکاری ملاحظہ کرنے کے لیے میں اربابِ حل وعقد کو دعوت دینا چاہوں گا۔ کتاب میں کوئی فروگذاشت ہو تو اس کی فوراً اطلاع بہم پہنچائیں تاکہ بروقت اصلاح کرکے آیندہ اشاعتوں کو غلطیوں سے پاک کیا جاسکے۔

دلیپ کمار I.T.S.

مینیجنگ ڈائرکٹر

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

گزارش

گذشتہ ایک برس میں اسٹیٹ کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔)، بہار نے اسکولی تعلیم کے لیے مبسوط نصاب بنانے کی جو سرگرمیاں جاری رکھیں، انھی کا یہ کتاب ثمرہ ہے۔ ہمارے ادارے نے پہلی بار بہار کے نصابِ تعلیم اور درسی کتاب کے لیے تمام تر ذمےداری اپنے سَر لے رکھی ہے۔ اردو، فارسی اور عربی کے سلسلے سے تو آج سے پہلے ہم کوئی موثر کام نہیں انجام دے پائے تھے۔ قومی سطح پر بڑے تعلیمی اداروں میں جس انداز سے کتابیں تیار کرانے کا سلسلہ رہتا ہے، ہم نے بھی انھی خطوط پر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ نصابِ تعلیم اور درسی کتاب سے متعلق مختلف ورک شاپ اور مذاکروں کے ذریعے درسی کتاب تیار کرنے کے لیے مختلف مضامین کے باصلاحیت، تجربہ کار اور محنتی لوگوں کی ایک ٹیم بنتی چلی گئی۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ ہمارا تعلیمی تصور، نصاب اور درسی کتاب میں ڈھل کر عوام کے سامنے آیا۔

گیارھویں کے لیے اردو زبان و ادب کی جو درسی کتاب تیار ہوئی ہے، اُس میں جن مرحومین کی تخلیقات شامل ہیں، اُن کے وارثین کے ہم شکر گزار ہیں۔ سیّد محمد محسن، احمد جمال پاشا، کنھیا لال کپور، رضا نقوی واہی، اختر الایمان، فراق گورکھ پوری اور جمیل مظہری کے وارثین کا ہم بالخصوص شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تکشی شیوشنکر پلّے کے وارثین اور اُن کے پبلشر بھارتیہ گیان پیٹھ کا بھی شکریہ ہم پر واجب ہے۔ فیض احمد فیض، امتیاز علی تاج اور ناصر کاظمی کی تخلیقات بھی ہماری کتاب کی زینت بنیں، اُن کے وارثین کا شکریہ بھی لازم ہے۔ محترمہ قرۃ العین حیدر، محترمہ ساجدہ زیدی، جناب سیّد حامد، جناب ظفر گورکھ پوری، جناب مظہر امام، جناب طارق چھتاری، جناب غضنفر، جناب آلوک دھنوا اور محترمہ غزال ضیغم کی تخلیقات کی شمولیت سے ہماری کتاب کا معیار بلند ہوا۔ اُن کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے موقعے سے ہم اردو کمیٹی کے تمام اراکین، کوآرڈینیٹر جناب ظفر کمالی، معاون کوآرڈینیٹر محترمہ ترنم جہاں اور چیرمین، اورینٹل لینگویجز جناب صفدر امام قادری کا خاص طور پر شکر گزار ہیں۔ انھوں نے نہایت مستعدی کے ساتھ اس ذمے داری کو بہ حُسن و خوبی انجام دیا۔ کتاب کی تزئین اور تصحیح کے کام میں بھی اِن لوگوں

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

نے متعلقہ افراد سے تعاون لے کر ہماری پریشانیاں کم کر دیں۔ ہمیں اطمینان ہے کہ یہ کتاب بہار کے طلبہ کے لیے نہ صرف مفید ہوگی بلکہ نئے تعلیمی ماحول کی تعمیر میں اس سے بھرپور مدد بھی ملے گی۔ بچّہ زیادہ سے زیادہ سیکھتا جائے، اس سَمت میں اس کتاب کے مشتملات مینارۂ نور بن سکیں، یہی میری تمنا ہے۔ بہار ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن کے اہل کار بالخصوص اُس کے ایم۔ڈی۔ جناب فراق احمد کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جن کی کوششوں سے ہماری نصابی کتاب بَروقت چھپ کر منظرِ عام پر آسکی۔

آیندہ اشاعتوں میں یہ کتاب اور زیادہ کارآمد ہو سکے، اس کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے اپنی مفید رائے ہم تک بھجوانے کی زحمت اٹھائیں۔ طلبہ اور اساتذہ سے بھی ہماری گزارش ہوگی کہ اس کتاب کے بارے میں اپنی واضح صلاح دیں۔ اُن کا پیشگی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

اِندو مَولی ترپاٹھی

ڈائرکٹر

ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔، بہار، پٹنہ

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

کمیٹی برائے درسی کتاب (اردو)

زیر سرپرستی

جناب اندو مولی ترپاٹھی، ڈائرکٹر، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار
جناب رگھونش کمار، ڈائرکٹر (اکادمک)، بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ، (سینیر سکنڈری)، پٹنہ

چیرمین، اورینٹل لینگویجز گروپ

صفدر امام قادری، صدر شعبۂ اردو، کالج آف کامرس، پٹنہ

کوآرڈینیٹر

ظفر کمالی، شعبۂ فارسی، زیڈ۔اے۔اسلامیہ کالج، سیوان

معاون کوآرڈینیٹر

ترنم جہاں، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، مگدھ یونی ورسٹی، بودھ گیا

اراکین

رضوان احمد خاں، ریٹائرڈ استاد، بربیگھہ کالج، بربیگھہ (ٹی۔ایم۔بھاگل پور یونی ورسٹی، بھاگل پور)
جمشید قمر، سابق صدر شعبۂ اردو، رانچی کالج، رانچی
محمد علی الیاس، ہیڈ ماسٹر، کھرد یورا اسکول، چنپٹیا، مغربی چمپارن
مشتاق احمد، شعبۂ اردو، ملت کالج، دربھنگہ
واحد نظیر، استاد، شہید راجندر پرساد سنگھ گورنمنٹ ہائی اسکول، گردنی باغ، پٹنہ
نسیم احمد نسیم، سینیر ریسرچ فیلو، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
محمد زاہد الحق، شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
عابدہ پروین، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، پٹنہ یونی ورسٹی، پٹنہ
ممتا بھارتی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، حیدرآباد (پٹنہ سنٹر)

اراکین صلاح کار کمیٹی، بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ

پروفیسر وہاب اشرفی، سابق چیرمین، بہار یونی ورسٹی سروس کمیشن اور بہار انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کاؤنسل، پٹنہ
پروفیسر فاروق احمد صدیقی، صدر شعبۂ اردو، بی۔آر۔اے۔بہار یونی ورسٹی، مظفر پور
پروفیسر فصیح الزماں، صدر شعبۂ اردو، مگدھ یونی ورسٹی، بودھ گیا

اکادمک کنوینر

جناب گیان دیومنی ترپاٹھی، کمیٹی برائے نصاب اور درسی کتاب
اڈیشنل ڈائرکٹر، اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل مینجمنٹ (سیمیٹ)

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

چند الفاظ نئے نصاب اور درسی کتاب کے بارے میں

2005ء میں این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔نئی دہلی نے ملک کے ممتاز ماہرینِ تعلیم اور دانش وروں کے تعاون سے قومی درسیات کا خاکہ NCF-2005 شائع کیا۔ پورے ملک میں اس کے ابتدائی خاکے سے جو مباحث قائم ہوئے، انھی کا یہ اثر تھا کہ ملک کے طول وعرض میں مروّجہ تعلیمی نظام میں خاطرخواہ تبدیلی لانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ بہار اُن صوبوں میں شامل رہا جس نے نہ صرف یہ کہ قومی درسیات کے سلسلے میں اپنے واضح نقطۂ نظر کو پیش کیا بلکہ انھی مباحث کے دوران یہ تاثر بھی اُبھرا کہ قومی سطح پر طے شدہ درسیات کے اس خاکے کو صوبۂ بہار کے مخصوص تناظر میں سوفی صد کارگر تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی بیچ یہ بات بھی سامنے آئی کہ مخصوص حالات کے پیشِ نظر بہار کی درسیات کا خاکا بھی علاحدہ طور پر تیار کیا جانا چاہیے۔ Bihar Curriculum Framework (BCF- 2006) صوبۂ بہار کے تعلیمی نظام کو ایک نئے تصور، نقطۂ نظر اور لائحۂ عمل سے ہم آشنا کرانے کا شاید وسیلہ ثابت ہو۔

درسیات، نصاب اور درسی کتاب کے آپسی رشتوں کے بارے میں ہمارے صوبے میں زیادہ غوروفکر کی روایت نہیں تھی۔ خاکۂ نصاب تیار کرکے، کتابیں بنالینے یا قومی سطح پر موجود درسی کتاب کو من وعن یا جزوی تحریف کے ساتھ استعمال میں لانے کا انداز گذشتہ دو دہائیوں سے قائم رہا ہے لیکن اس بار پُرانے طرزِ عمل کو چھوڑتے ہوئے نئے نشانات مقرّر کیے گیے۔ این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کے NCF-2005 کی روشنی میں جس گفتگو کا آغاز ہوا، اُسے BCF-2006 اور این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کے نصاب اور بہار کے گذشتہ نصاب اور بہار ٹکسٹ بک اور این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کی کتابوں کا موازنہ کیا گیا اور یہ جانچنے کی کوشش کی گئی کہ نصاب کا کتنا حصّہ درسی کتاب میں شامل ہوسکا اور کتنا چھوٹ گیا۔ اس طرح تقریباً ایک برس کی صبر آزما سرگرمی کے بعد ہم بہار کے لیے ایک نیا نصابِ تعلیم تیار کرنے میں کامیاب ہوئے۔

تعلیم سے متعلق دنیا میں جو نئے سوالات یا چیلنجز ہمارے سامنے ہیں، اُن کو دیوار پر لکھی عبارت کی طرح ہم نے سب سے پہلے توجہ کا مرکز بنایا۔ درجۂ اوّل سے لے کر درجۂ دوازدہم تک ہمارا طالب علم کس طرح زینہ بہ زینہ اگلی منزلوں کی طرف بڑھتا جائے گا، اس کا واضح خاکا نصاب تیار کرتے ہوئے ہماری نگاہ میں تھا۔ ہر سطح سے آگے بڑھتے ہوئے بچّہ کیا سیکھتا جائے گا جس سے اُسے ایک ذمّے دار اور موثّر شہری بننے میں مدد ملے، اس کا بھی ہم نے دھیان رکھا۔ بچّوں پر نظامِ تعلیم اور کتابوں کا غیر ضروری بوجھ نہ لد جائے، اس کے تئیں بھی ہم نے غفلت نہیں برتی۔ ان تمام امور پر بیدار رہتے ہوئے ہم نے اپنا نصاب تیار کیا۔

جہاں تک زبان وادب کی تعلیم کا سوال ہے، اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ مادری زبان تو وہ پونجی ہے جس کے بغیر بچّے کا وجود تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کئی دوسری زبانیں اور بولیاں بہار جیسے کثیر لسانی معاشرے میں پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ ایک بچّے

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

کو اُن تمام زبانوں اور بولیوں میں سے مقدور بھر سیکھنے کی ضرورت ہوگی۔ زبانیں ماحول سے بچّے کے اندر داخل ہوتی ہیں اور نصابی کتاب تک پہنچنے سے پہلے ہی سیکڑوں الفاظ اور جملوں سے وہ واقف ہو چکا ہوتا ہے۔ زبانوں کی مدد سے ہی وہ دوسرے مضامین کی تعلیم بھی حاصل کرتا ہے NCF-2005 نے خاص طور پر کثیر لسانی معاشرے کی پہچان کی اور ہندستان کی تہذیبی اور ثقافتی طاقت کو نصاب کا حصّہ بنانے کی وکالت کی۔ صوبۂ بہار بھی بولیوں اور زبانوں کی اس زرخیزی کی بہترین تجربہ گاہ ہے جس کی وجہ سے نصابِ تعلیم میں مختلف علاقائی، قومی اور بین الاقوامی زبانوں سے طلبہ کو روشناس کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس طرح ہماری یہ کوشش رہی کہ یہ نصاب بہار کی مخصوص ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہوئے نہ صرف قومی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو بلکہ اس کے دروازے اور کھڑکیاں بین الاقوامی فصیلوں کی طرف بھی کھلیں۔

اردو کے ساتھ فارسی اور عربی کے نصابِ تعلیم کی ہماری مشترکہ ذمّے داری تھی۔ ہندستانی معاشرے کے لیے اردو ایک زندہ اور روزکام آنے والی زبان ہے جسے مادری زبان/ پہلی زبان کے طور پر لاکھوں طالب علم اپناتے ہیں۔ فارسی اور عربی زبانیں ہر چند ہمارے معاشرے میں دوسری، تیسری اور چوتھی زبانوں کا درجہ رکھتی ہیں پھر بھی اُن کی شدید ضرورت کے دو واضح اسباب ہیں۔ دونوں زبانیں کلاسیکی اہمیت کی حامل ہیں اور اُن کا وقیع ادبی سرمایہ نہایت کارآمد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں زبانیں عالمی سطح پر بہترین معاشی وسائل فراہم کرتی ہیں۔ کلاسیکی ہونے کے باوجود یہ زبانیں زندہ اور متحرک ہیں۔ اس لیے ان دونوں زبانوں کے نصابِ تعلیم اور درسی کتاب تیار کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ چھٹی جماعت سے انھیں پڑھنے کے باوجود بارھویں درجے تک پہنچ کر بچّہ اتنی صلاحیت پیدا کرلے کہ وہ ان زبانوں میں کاروباری ضرورتیں پوری کر سکے۔

اردو مادری زبان ہے اور طلبہ کو درجۂ اوّل سے اس کا مطالعہ کرنا ہے، اس لیے اس زبان کے نصاب کی تیاری میں دوسرے اصول کارفرما رہے۔ مادری زبان کے سیکھنے کے وسائل نصابی کتاب اور کلاس روم کے علاوہ کئی اور بھی ہیں۔ دوسری زبانوں کے مقابلے اس کے سیکھنے کی رفتار تیز تر ہوگی۔ بچّہ نصابی کتاب کے باہر سے بھی بہت کچھ نیا سیکھتا جاتا ہے۔ اس لیے مادری زبان کے نصاب کی تیاری میں ہمارے سامنے یہ چنوتی بھی ہوتی ہے کہ آخر پورے سال تواتر کے ساتھ اس نصاب کو کیسے پڑھایا جائے؟

پہلی سے بارھویں تک نصاب بنانے کے بعد پہلے مرحلے میں ہمیں گیارھویں جماعت کی درسی کتاب تیار کرنے کی ذمّے داری ملی۔ گیارھویں درجے میں ایک بالغ نظر طالب علم ہمارے سامنے رہتا ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ گیارھویں اور بارھویں جماعتیں اسکولی زندگی کا ایسا مقام ہیں جس کے بعد طالب علم کی زندگی کے تعلیمی خاکے میں واضح تبدیلیاں آئیں گی۔ ممکن ہے، بی۔ اے۔ کے درجات میں وہ زبان وادب کا ہوکر رہ جائے یا ٹھیک اس کے برعکس ایسے مضامین کی طرف بڑھ جائے جہاں زبان وادب کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ دونوں صورتوں میں ہمارا مطمحِ نظر یہ رہا کہ طالب علم کی ادبی ضرورتوں کو ابتدائی طور پر اوّلیت دی جائے۔ اسے اس قدر ادب پڑھا دیا جائے کہ اگر اس نے ادب کو چھوڑ کر دوسرے مضامین کو اپنالیا تب بھی اس کی تمام زندگی میں ادب کی روشنی موجود رہے یا اگر آیندہ وہ ادب کا ہی طالب علم ہونا چاہے تب بھی اس

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

کی بنیاد اتنی ٹھوس اور مستحکم ہو جس سے وہ اعلا جماعتوں میں ادب کا بہترین طالب علم بن سکے۔ انھی باتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے گیارھویں اور بارھویں جماعتوں میں ہم نے ایک ایک درسی کتاب کے علاوہ تاریخ ادب اور قواعد کی ایک ایک کتاب مشترکہ طور پر شامل کی ہے۔ اُن سب کے مطالعے کے بعد ایک طالب علم سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ابتدائی طور پر زبان وادب کا بہترین طالب علم ثابت ہوگا۔

ہماری کتاب، کمیٹی کے تمام ارکان کی مسلسل محنتوں کا ثمرہ ہے۔ اس موقعے سے ہم اُن تمام افراد کے شکر گزار ہیں۔ محکمۂ تعلیم کے سکریٹری ڈاکٹر مدن موہن جھا، جناب کے۔ پی۔ سنگھ، ڈائرکٹر، ثانوی تعلیم، جناب اِندو مولی تر پاٹھی، ڈائرکٹر ایس۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی۔، بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ کے سکریٹری جناب انوپ کمار سنہا کے ہم خاص طور پر شکر گزار ہیں جن کی سرپرستی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ایس۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی۔ بہار کی نصاب اور درسی کتاب کمیٹی کے اکادمک کنوینر جناب گیان دیو منی تر پاٹھی گذشتہ ایک برس میں کمیٹی کے ارکان کے ساتھ علمی اور تنظیمی امور پر جس فیاضانہ طریقے سے مسلسل تعاون فرماتے رہے، اس کے لیے شکریے کے الفاظ رسمی معلوم ہو رہے ہیں۔ ہمیں یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اُن کی اکادمک رہنمائی کے بغیر یہ کتاب پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

صلاح کار کمیٹی کے معزز اراکین کا شکریہ بھی ہم پر واجب ہے جنھوں نے ہماری کتاب کو توجہ کے ساتھ ملاحظہ کیا اور اپنے مفید مشوروں سے اسے زیادہ کارآمد بنایا۔ گورنمنٹ اردو لائبریری کے لائبریرین جناب حسن احمد اور خدا بخش لائبریری کے اہل کاروں کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے اس کتاب کی تیاری کے مرحلے میں فیاضی کے ساتھ ضروری کتابیں مہیا کرائیں۔ جناب روی راج نے اردو کی کتاب میں متن سے متعلق اسکیچز تیار کیے اور جناب وصی احمد نے شعرا وادبا کی تصویریں بنائیں۔ ان سے کتاب کے حُسن میں اضافہ ہوا ہے۔ دونوں کا شکریہ لازم ہے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ کے مرحلے میں جناب محمد ذوالفقار حیدری، محمد سلیم احمد (دی پرنٹ لائن)، محمد معظم (ایم۔ ایم۔ کمپیوٹرس)، جمیل احمد اور شجاع الزماں نے (آئڈیل کمپیوٹرس) نے نہایت مستعدی سے ہماری کتابیں تیار کیں۔ جاوید اقبال، منی بھوشن کمار، محمد امین، محمد طیب انصاری، ضیاء الحق اور علینہ علی ملک نے پروف ریڈنگ اور کاپی ایڈیٹنگ میں دستِ تعاون بڑھایا، ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔ اسکول اور کالج کے جن اساتذہ نے ہماری ٹیم میں کام کیا، ہم اُن کے پرنسپل صاحبان کے بھی شکر گزار ہیں جنھوں نے اس کام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے انھیں فراخ دلی سے چھٹیاں دیں۔

اساتذہ کرام، سرپرست حضرات اور طلبہ سے ہماری گزارش ہوگی کہ اس درسی کتاب کے مشمولات کے بارے میں ہمیں اپنی رائے سے واقف کرائیں تاکہ آیندہ اشاعتوں میں اسے مزید کارآمد، سہل اور دل چسپ بنایا جاسکے۔

ہماری دعا اور تمنا ہے کہ یہ کتاب طلبہ کی زندگی میں نئی روشنی کی ضمانت بن جائے۔

صفدر امام قادری

چیرمین، اورینٹل لینگویجز کمیٹی برائے درسی کتاب

صدر شعبۂ اردو، کالج آف کامرس، پٹنہ (بہار)

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

کہکشاں........

گیارھویں جماعت کی یہ درسی کتاب بازار میں موجود سرکاری یا غیر سرکاری کتابوں سے مختلف نوعیت کی ہو، یہ ہمارا پہلا نشانہ تھا۔ نہ جانے کیوں ہماری درسی کتابوں میں متن کے انتخاب کے مرحلے میں قدامت پسندی، باسی پن اور آزمودہ چیزوں کو پھر سے مرتب کرنے کا چلن رہا ہے۔ تمام اصناف اور شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والی شاملِ نصاب تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو اُن میں بار بار چند شخصیات اور مخصوص اسباق کو دہرانے کی ایک عادت رہی ہے۔ ہم نے اس کتاب کی ترتیب میں یہ خیال رکھا کہ نصاب میں بار بار آزمائے اسباق سے قطعِ نظر کارآمد نئے متن کی تلاش کی جائے۔ اس لیے ہماری اس کتاب میں طلبہ کو نوے فی صد ایسی تخلیقات ملیں گی جنھیں کورس کی دیگر کتابوں میں تلاش کرنا ممکن نہیں۔ اس سے ہمارے اساتذہ اور طلبہ دونوں کو اس کتاب کے مطالعے کے دوران ایک ادبی تازگی کا احساس ہوگا۔

انتخابِ متن کے عمل میں اب تک کلاسیکی ادب کی طرف ایسا جھکاو رہا ہے کہ ہم عصر ادب کے لیے درسی کتابوں کے دروازے تقریباً بند نظر آتے ہیں۔ بچّہ جب ادب کی طرف بڑھنا چاہتا ہے، اس مرحلے میں کلاسیکی ادب کی مشکل زبان دشواریاں پیدا کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی نقصان ہوتا ہے کہ بچّہ کلاسیکی ادب اور معاصر ادب دونوں سے دور ہونے لگتا ہے۔ دورانِ تدریس پیش آنے والے ان مسائل اور شعبۂ تعلیم میں نئے تصوّرات، دونوں نے ہمیں یہ راہ دکھائی کہ اپنے نصاب میں معاصر ادب کو زیادہ اہمیت دی جائے۔ طالب علم جس زمانے میں ہے، اس زمانے کی زبان سے پورے طور پر ہم آشنا رہے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ مواد بچّے کے عہد سے قریب کا ہونا چاہیے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نے کتاب تیار کرتے ہوئے کلاسیکی متن سے فرار کی کوئی صورت پیدا کر لی ہے۔ ہمارا محدود تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ہمیں زبان کے معاملے میں جدید سے قدیم کی طرف کا سفر طے کرنا چاہیے۔ اسی لیے گیارھویں جماعت میں ہم نے اٹھارھویں صدی سے تین مصنّفین کو منتخب کیا ہے۔ انیسویں صدی کے نصف اوّل سے تین اور نصف دوم سے چار لکھنے والے ہمارے انتخاب میں شامل ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف اوّل کے مصنّفین جہاں سات کی تعداد میں شاملِ کتاب ہیں، وہیں نصف دوم میں یہ تعداد بڑھ کر دس ہو جاتی ہے۔ اسی طرح باحیات مصنّفین کا واجب حق ادا کرتے ہوئے ہم نے نثر و نظم میں پچیس فیصد (25%) ان کے لیے مخصوص کیا ہے۔ ایسے لوگوں سے متعلق نو اسباق یہاں شامل ہیں۔

اس درسی کتاب میں علاقائی، مذہبی اور لسانی اعتبار سے اپنے ملک کی ہمہ گیر تہذیبی اور ثقافتی عناصر کو بھی نمایندگی دینے کا نشانہ مقرر تھا۔ حالاں کہ یہ کتاب بہار کے بچّوں کے لیے ہے لیکن ہم نے اس کا پیمانہ قومی رکھا ہے۔ ہماری کوشش رہی کہ بہار کے اہم مصنّفین کے پہلو بہ پہلو ملک کے دوسرے صوبوں کے اہم لکھنے والے بھی اس نصاب کا حصّہ بنیں۔ شاید یہ اچھا لگے کہ اس

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

نصاب میں اُتر پردیش، پنجاب، مہاراشٹر، کیرل، آندھرا پردیش جیسے صوبوں کے مصنّفین کو شامل کر کے ایک ہمہ گیر ادبی اور ثقافتی صورتِ حال کو اُبھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تہذیبی اور مذہبی اعتبار سے ملے جُلے اور رنگا رنگ ماحول کو ملحوظ رکھتے ہوئے نثر و نظم دونوں حصّوں میں غیر مسلم لکھنے والوں کو بھرپور نمایندگی دی گئی ہے۔

ہمارے نصاب میں تمام اہم اصناف کی شمولیت ہر درجے میں ممکن نہیں تھی لیکن یہ اطمینان کی بات تھی کہ مرحلہ وار نصاب تیار کرتے ہوئے ہم نے اصناف اور مصنّفین کا ایک ایسا سلسلے وار خاکا تیار کیا جس سے ہماری ادبی تاریخ کی ایک واضح شکل اُبھر کر سامنے آجائے۔ ہمارے نصاب میں اس بات کی گنجایش موجود ہے کہ ہر صنف کے نمائندہ لکھنے والے لازماً ہمارے نصاب کا حصّہ بنیں۔ ہمیں توقع ہے کہ پہلی جماعت سے بارھویں جماعت تک اس نصاب کے مطالعے کے بعد ایک طالب علم اس بنیادی علم کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا جو اعلا جماعتوں میں ادب کے طالب علم کو آگے بڑھنے میں رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے طالب علم جب گیارھویں جماعت کی کتاب کا مطالعہ کریں تو اُنھیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ کچھ اور باتیں وہ بارھویں جماعت میں پڑھیں گے اور اس سے بھی انکار نہیں ہونا چاہیے کہ انھوں نے دسویں جماعت تک بھی ایک خاطر خواہ ادبی معلومات کا ذخیرہ حاصل کر رکھا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ گیارھویں جماعت کی کتاب کوئی تعلیمی جزیرہ نہیں بلکہ یہ پچھلی حصولیابیوں کی بنیاد پر ایک نئی عمارت کا خاکا ہے جسے بارھویں جماعت میں جا کر مزید رنگ و روغن نصیب ہونا ہے۔ اسی لیے اس کتاب میں تمام اصناف یا تمام اہم مصنّفین کی شمولیت کے مقابلے میں نمایندہ تخلیقات اور رنگارنگ ادبی منظر نامہ مرتّب کرنے کا نشانہ طے کیا گیا۔

طالب علم کسی خلا میں کتاب کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ اُسے جو سماج میسّر ہے اُسی کے بیچ اپنی نشو و نما کرنی ہے۔ اس لیے یہ لازم ہے کہ گذشتہ کئی صدیوں میں ہندستانی سماج نے جو جدّ و جہد کی ہے اور قربانیاں دی ہیں، اُنھیں بھی بچّوں کے سامنے رکھا جائے۔ یہ ملک اور یہ سماج ایک دن میں نہیں بنا اور اس کی تشکیل و تعمیر میں ہمارے خواب، جدّ و جہد اور ہزار قربانیاں شامل ہیں۔ اس لیے یہ سب سے ضروری تھا کہ ہم اپنے طالب علم کو ان چیزوں سے بھی آشنا کرائیں۔ غالب کے خط میں اگر غدر کے بعد کے مشکل حالات اُبھر کر سامنے آتے ہیں تو شہید اشفاق اللہ خاں کی شہادت سے چند دنوں پہلے لکھے گئے اپنی ماں کے نام خط کا مطالعہ ہماری قوم کے ہر نوجوان پر فرض ہے۔ قربانی کا جذبہ اور اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے ملک پر مَر مِٹنا کتنا ضروری ہے، اسے جاننے کے لیے چند صفحات کا یہ خط پڑھنا بے حد سود مند ہے۔

پٹنہ بہار کی راج دھانی ہے۔ اس شہر میں سر سیّد احمد خاں نے مشترکہ تہذیب و کلچر کے تعلق سے وہ یادگار لکچر دیا تھا جسے دنیا بھر میں یاد کیا جاتا ہے۔ سر سیّد کا وہ خطبہ اس کتاب میں شامل ہے۔ اسی طرح سرزمینِ عظیم آباد پر 1881ء میں ایک خاتون نے اردو میں ناول لکھا۔ اس وقت پورے ملک میں عورتیں تعلیم کی طرف بڑھنے کے لیے سوچ بھی نہیں رہی تھیں لیکن اس ناول میں عورتوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب ہونے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ کتاب میں اس ناول سے بھی سبق شامل کیا گیا ہے۔

طلبہ کے لیے اس درسی کتاب میں بہت ساری ایسی چیزیں شامل کی گئی ہیں جن سے اُنھیں اپنی تعلیمی ترقی میں مدد

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

ملے۔ بہار کے نصاب اور درسی کتاب میں پہلی بار اس قدر تفصیلی مشقیں پیش کی گئی ہیں۔ لفظ و معنیٰ کے تعلق سے بھی تفصیل کو راہ دی گئی ہے۔ قواعد اور دوسرے ادبی اور فنّی پہلوؤں پر بچّوں کی نگاہ پڑے، اس کے لیے بھی ان مشقوں میں گنجایش پیدا کی گئی ہے۔ انھی اسباب سے اس کتاب کی ضخامت بڑھی ہے لیکن یہ بستے کا بوجھ نہیں بلکہ درسی کتاب کو آسان اور دل چسپ بنانے کی ہماری ایک مہم ہے۔ ہمارے اساتذہ کرام جنھیں بعض ضروری مواد اپنے شہر یا اسکول کی لائبریریوں میں دستیاب نہیں ہو پاتا، اُن کی مدد کے لیے ہماری تفصیلی مشقیں کارگر ثابت ہوں گی۔

اس کتاب میں اردو میں موجود املائی انتشار سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ انجمن ترقّی اردو، ہند کی سفارشات اور رشید حسن خاں کی قاموسی کتاب ''اردو املا'' کو رہنما تسلیم کیا گیا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ سے مخلصانہ گزارش ہوگی کہ اردو کے اس نئے، سائنٹفک اور موزوں نظامِ املا کو پورے طور پر قبول کریں تاکہ املا کی سطح پر یکسانیت کا ماحول قائم ہو۔ اس کے لیے ہمارے کلاس روم سے بہتر کوئی اور تجربہ گاہ نہیں ہے۔ آیندہ کی کتابوں میں بھی ہماری کوشش ہوگی کہ املا کی سطح پر یکسانیت قائم رہے۔ یہ باتیں اس لیے یہاں گوش گزار کی گئیں تاکہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ غیر ضروری طور پر بعض الفاظ کی رائج صورت کو بدلا جا رہا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بہت غور و فکر اور ماہرینِ لسانیات و املا کی سفارشات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان تبدیلیوں کو راہ دی گئی ہے۔

ہر مرحلے میں ہماری یہ کوشش رہی کہ درسی کتاب کا ایک صفحہ بھی نہ گراں بار ہو اور نہ دل چسپی سے خالی رہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں تھی کہ ہمارے وقیع ادبی سرمایے سے طالب علم کو پورے طور پر واقف بھی ہونا ہے۔ یہ نکتہ بھی ملحوظ رہا کہ جب یہ درسی کتاب تمام ہو اور ایک سال کی تعلیم و تدریس کا طالب علم احتساب کرے تو اُسے محسوس ہو کہ اس نے اچھا خاصا مواد حاصل کر لیا ہے لیکن اُسی لمحے اس تشنگی کا بھی احساس ہو کہ ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی ہے اور اس نے جو پایا ہے، اُس سے ہزاروں گُنا زیادہ ابھی حاصل کرنا ہے۔ یہ تمنّا اگر ہمارے طلبہ کے جی میں سما گئی تو یہی ہماری اصل کامیابی ہوگی۔ اسی خواب اور تصوّر کے سہارے اس درسی کتاب کو تیار کیا گیا ہے۔

ترنّم جہاں	ظفر کمالی	صفدر امام قادری
معاون کوآرڈینیٹر (اردو)	کوآرڈینیٹر (اردو)	چیرمین، اورینٹل لینگویجز کمیٹی

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

فہرست

حصّۂ نثر

خطبہ [4 — 9]

ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں	سرسیّد احمد خاں	6

خط [10 — 33]

بہ نام میر مہدی مجروح	اسداللہ خاں غالبؔ	12
بہ نام ہرگوپال تفتہ	اسداللہ خاں غالبؔ	13
بہ نام علاءالدین خاں علائی	اسداللہ خاں غالبؔ	14
جیل سے والدہ کے نام خط	اشفاق اللہ خاں (شہید)	26

مختصر افسانہ [34 — 93]

روشنی	پریم چند	36
انوکھی مسکراہٹ	سیّد محمد محسن	49
باغ کا دروازہ	طارق چھتاری	63
خوشبو	غزال ضیغم	77
سیلاب (ترجمہ شدہ ملیالی کہانی)	تکشی شیوشنکر پلّے	87

مضمون [94 — 103]

شےِ لطیف (علمی مضمون)	سیّد حامد	96

ناول [104 — 125]

اصلاح النسا (اقتباس)	رشیدۃ النسا	107
پانی (اقتباس)	غضنفر	117

ڈراما [126 — 144]

انارکلی (اقتباس)	امتیاز علی تاج	129

خاکا [145 — 158]

کلیم الدین احمد	احمد جمال پاشا	147

حصّۂ شاعری

نظم

[161 — 186]

آٹا دال	نظیر اکبرآبادی	164
مناظرۂ رحم وانصاف	الطاف حسین حالی	168
پھول	علاّمہ اقبال	173
جاوید کے نام	علاّمہ اقبال	174
معرکۂ جہیز ودین مہر (ظریفانہ نظم)	رضا نقوی واہی	178
سفید رات (ترجمہ شدہ ہندی نظم)	آلوک دھنوا	182

غزل

[187 — 204]

آہ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا	محمد تقی میر	189
سُنا ہے حال ترے کشتگاں بچاروں کا	محمد تقی میر	189
خواب میں مجھ کو خیالِ نرگسِ مستانہ تھا	خواجہ حیدر علی آتش	194
کام ہمّت سے جواں مرد اگر لیتا ہے	خواجہ حیدر علی آتش	194
تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں	مومن خاں مومن	198
ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو	مومن خاں مومن	198
کدورت اے دلِ محزوں کہاں نکلتی ہے	شاد عظیم آبادی	202
قدرِ ہنر تھی جن سے، وہ اہلِ نظر گئے	شاد عظیم آبادی	202

شخصی مرثیہ

[205 — 211]

لفظوں کی بھیگی آنکھیں	ظفر گورکھ پوری	207

مثنوی

[212 — 227]

سحر البیان (اقتباس)	میر حسن	214

مزید مطالعے کے لیے

مضمون [230 — 243]

میر کلّو کی گواہی (ظریفانہ مضمون)	انجم مانپوری	231
علاّمہ ظہور (ظریفانہ مضمون)	کنھیالال کپور	239

انٹرویو [244 — 253]

میں ساڑی رپورٹر کہلاتی تھی	قرۃ العین حیدر	246

حمد [254 — 258]

ترا ہی بحر، سفینہ رواں بھی تیرا ہے	مظہرامام	256

نظم [259 — 275]

ملاقات	فیض احمد فیض	260
زنداں کی ایک شام	فیض احمد فیض	261
ڈاسنہ سٹیشن کا مسافر	اختر الایمان	266
اتمامِ سفر سے پہلے کا پڑاو	اختر الایمان	268
میرا وطن یہی ہے	ساجدہ زیدی	271

غزل [276 — 279]

دل میں اک لہر سی اُٹھی ہے ابھی	ناصر کاظمی	277
کچھ یادگارِ شہرِ ستم گر ہی لے چلیں	ناصر کاظمی	277

مثنوی [280 — 284]

سوز و گداز (اقتباس)	شوق نیموی	281

رباعی [285 — 297]

رباعیات	امجد حیدرآبادی	287
رباعیات	فراق گورکھپوری	291
رباعیات	جمیل مظہری	295

خطبہ

خطبے کا تعلق تخلیقی ادب سے نہیں ہے لیکن علوم کی مذہبی اور دانش ورانہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو خطبات کی اہمیت واضح ہوجائے گی۔ مذاہب میں پیغمبران، اولیاے کرام اور علماے دین کی وہ باتیں خطبے کے ذیل میں آتی ہیں جن میں عوام کی ہدایت کے لیے کوئی خاص پیغام ہو۔ ہندستان میں جدید تعلیم کے فروغ کے دور میں خطبات کو باضابطہ شکل ملی۔ بالخصوص علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کے دوران مختلف دانش وروں نے ملک کے طول وعرض میں جو عوامی خطابات کا سلسلہ قائم کیا، انھیں مقبولیت حاصل ہوئی۔ انگریزوں کے یہاں ایسے خطابات بہت اہتمام کے ساتھ تہذیب کا حصّہ بن چکے تھے اور دانش وران اپنے خطبات تحریری شکل میں پیش کرنا شروع کر چکے تھے۔

ہندستان میں قومی تحریک کے زمانے میں کانگریس صدور کے لکچرز کی تاریخی اہمیت قائم ہوئی۔ لیکن اس سے قبل سرسیّد احمد خاں، ان کے دیگر رفقا اور ووِیکانند کے خطبات اپنی افادیت اور علمی اعتبار کی وجہ سے یادگار بن چکے تھے۔ اردو والوں میں سرسیّد ان ابتدائی لوگوں میں ہیں جنھوں نے اپنی خصوصی تقاریر کو تحریری شکل دے کر دائمی حیثیت عطا کی۔ ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی، علاّمہ اقبال، سیّد سلیمان ندوی، ابوالکلام آزاد، ذاکر حسین اور سیّد ابوالحسن علی ندوی کے خطبات ہمارے لیے اثاثہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سب کے خطبات کی علمی اور دانش ورانہ بنیادیں بہت مضبوط ہیں اور انھیں کی کوششوں سے ہندستان کی سیاسی اور سماجی زندگی میں سینکڑوں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔

خطبہ (جمع - خطبات)، خطاب، لکچر، اڈریس جیسی اصطلاحیں اردو میں بھی رائج ہیں۔ انھیں عمومی گفتگو یا تقریر سے صرف اس لیے الگ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان کے خطاب کنندگان بڑے دانش ور ہوتے ہیں اور اکثر وبیش تر ان کے موضوعات بھی مخصوص ہوتے ہیں۔ ایسے خطبات کے لیے خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ بالعموم یہ خطبات عقلی اور معروضی بنیادوں پر حالات اور واقعات کے تجزیے کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ ہر خطبے کا یہ لازمی مقصد ہوتا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگ سنیں اور اس سے بڑا عوامی اور قومی فائدہ حاصل ہو۔

سر سیّد احمد خاں

سیّد احمد خاں 17 اکتوبر 1817ء کو دلّی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام میر متقی اور دادا کا نام سیّد ہادی تھا۔ ان کے اسلاف شاہ جہاں کے زمانے میں ہندستان آئے اور مختلف بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ یہ گھرانا بے حد معزز اور مذہبی تھا۔

سیّد احمد خاں کی ابتدائی تعلیم ان کی ماں عزیز النسا بیگم کے ذریعے ہوئی جنھوں نے قرآنِ کریم کے چند پارے اور اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔ انھوں نے بیٹے کی تربیت بھی بہت خوش اسلوبی سے کی۔ چوں کہ سیّد احمد خاں کا بچپن اپنی ننھیال میں گزرا تھا، لہٰذا ان کی ذہنی تربیت میں ان کے نانا خواجہ فرید الدین کا بھی بڑا ہاتھ رہا۔ سر سیّد نے مشہور عالمِ دین مولانا حمید الدین اور دیگر اساتذہ سے کسبِ فیض کرتے ہوئے عربی، فارسی، طب اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔

1836ء میں انیس برس کی عمر میں سیّد احمد خاں کی شادی پارسا بیگم سے ہوئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد 1838ء میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں عارضی سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ 1841ء میں انھوں نے منصفی کا امتحان پاس کیا اور مین پوری میں بہ طور منصف ان کا تقرر ہوا۔ وہاں سے ان کا تبادلہ فتح پور سیکری اور بعد میں دہلی ہوا۔ 1842ء میں بہادر شاہ نے جوادالدولہ عارف جنگ کے خطاب سے نوازا۔ 1855ء میں صدر امین کی حیثیت سے وہ بجنور گئے۔ 10 مئی 1857ء کو جب غدر کی ابتدا ہوئی تو سر سیّد بجنور میں ہی تھے۔ غازی پور میں انھوں نے سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ 1864ء میں ان کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا۔ اپریل 1869ء میں وہ لندن گئے۔ اکتوبر 1870ء میں وہاں سے واپسی کے بعد رسالہ "تہذیب الاخلاق" کا اجرا کیا۔ 1875ء میں "مدرسۃ العلوم" (محمڈن اینگلو اورینٹل اسکول اور کالج) کی بنیاد ڈالی جو اُن کے مرنے کے بعد ترقی کرتے ہوئے 1920ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں تبدیل ہو گیا۔ سیّد احمد خاں کو انگریزی حکومت نے "سر" کے خطاب سے بھی نوازا جو اُن کے نام کا حصہ بن گیا۔ 27 مارچ 1898ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

سر سیّد نے اپنے تعلیمی اور اصلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی خصوصی دلچسپی لی اور کئی یادگار کتابیں لکھیں جن میں "آثار الصنادید"، "خطباتِ احمدیہ"، "اسبابِ بغاوتِ ہند"، "تفسیر القرآن" اور "تبیین القرآن" بہ طور خاص اہم ہیں۔ انھوں نے کئی اہم تاریخی کتابوں کو بھی مرتب کیا۔ انھوں نے کثیر تعداد میں اصلاحی مضامین بھی قلم بند کیے۔

سر سیّد اور ان کے رفقا نے اردو نثر میں سادہ بیانی اور مختصر نویسی کو رواج دیا اور اس زبان کو ترقی کی نئی بلندیاں عطا کیں۔ ان کی ہمہ جہت ادبی خدمات کو دیکھتے ہوئے انھیں اردو نثر کا باوا آدم بھی کہا جاتا ہے۔ سر سیّد نے اپنے وطن اور ابنائے وطن بالخصوص مسلمانوں کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔ مسلمانوں کو غدر کے صدمے کو بھلا کر جدید تعلیم کی جانب راغب کیا۔ وہ ایک بڑے مصلح اور بڑے ادیب کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

سر سیّد احمد خاں

خطبہ

ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں

اے میرے دوستو!

تمھارے ملک ہندستان میں دو قومیں آباد ہیں جو ہندو اور مسلمان کے نام سے مشہور ہیں۔ جس طرح کہ انسان میں بعض اعضائے رئیسہ ہیں، اسی طرح ہندستان کے لیے وہی دونوں قومیں بہ منزلۂ اعضائے رئیسہ کے ہیں۔ ہندو ہونا یا مسلمان ہونا انسان کا اندرونی خیال بالعقیدہ ہے، جس کو بیرونی معاملات اور آپس کے برتاو سے کچھ تعلّق نہیں ہے۔ کیا خوب کہا ہے، جس نے کہا ہے کہ انسان کے دو حصّے ہیں۔ اس کے دل کا خیال یا عقل خدا کا حصّہ ہے اور اس کا اخلاق اور میل جول اور ایک دوسرے کی ہمدردی اس کے ابنائے جنس کا حصّہ ہے۔ پس خدا کے حصّے کو خدا پر چھوڑ دو اور جو تمھارا حصّہ ہے، اس سے مطلب رکھو۔

اے عزیزو! جس طرح ہندوؤں کی شریف قومیں اس مُلک میں آئیں، اُسی طرح ہم بھی اس ملک میں آئے۔ ہندو اپنا ملک بھول گئے۔ اپنے دیس سے پردیس ہونے کا زمانہ اُن کو یاد نہیں رہا اور ہندستان ہی کو اُنھوں نے اپنا وطن سمجھا اور یہ جانا کہ ہمالیہ اور بندھیا چل کے درمیان ہی ہمارا وطن ہے۔ ہم کو بھی اپنا ملک چھوڑے سینکڑوں برس ہو گئے۔ نہ وہاں کی آب و ہوا ہم کو یاد ہے، نہ اس ملک کی فضا کی خوبصورتی، نہ وہاں کے پھلوں کی تر و تازگی اور نہ میووں کی لذّت اور نہ اپنے مقدّس ریتیلے و کنکریلے ملک کی برکت۔ ہم نے بھی ہندستان کو اپنا وطن سمجھا اور اپنے سے پیش قدموں کی طرح ہم بھی اس ملک میں رہ پڑے۔ پس اب ہندستان ہی ہم دونوں کا وطن ہے۔ ہندستان ہی کی ہوا سے ہم دونوں جیتے ہیں۔ مقدّس گنگا جمنا کا پانی ہم دونوں پیتے ہیں۔ ہندستان ہی کی زمین کی پیداوار ہم دونوں کھاتے ہیں۔ مرنے میں، جینے میں، دونوں کا ساتھ ہے۔

ہندستان میں رہتے رہتے دونوں کا خون بدل گیا۔ دونوں کی رنگتیں ایک سی ہو گئیں۔ دونوں کی صورتیں بدل کر ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی سینکڑوں رسمیں اختیار کر لیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی سینکڑوں عادتیں لے لیں۔ یہاں تک کہ ہم دونوں آپس میں ملے۔ ہم دونوں نے مل کر ایک نئی زبان اردو پیدا کر لی جو نہ ہماری زبان تھی نہ اُن کی۔ پس اگر ہم اس حصّے سے جو ہم دونوں میں خدا کا حصّہ ہے، قطع نظر کریں تو درحقیقت ہندستان میں ہم دونوں بہ اعتبار اہلِ وطن ہونے کے ایک قوم ہیں۔ اور ہم دونوں کے اتفاق اور باہمی ہمدردی اور آپس کی محبت سے ملک کی اور ہم دونوں کی ترقی و بہبودی ممکن ہے۔ اور آپس کے نفاق اور ضد و عداوت اور دوسرے کی

بدخواہی سے ہم دونوں برباد ہونے والے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس نکتے کو نہیں سمجھتے اور آپس میں ان دونوں قوموں میں تفرقہ ڈالنے کے خیالات پیدا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس مضرّت اور نقصان میں خود بھی شامل ہیں اور آپ اپنے پانو پر کلھاڑی مارتے ہیں۔

اے میرے دوستو! میں نے بارہا کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ ہندستان ایک دلہن کے مانند ہے جس کی خوب صورت اور رسیلی آنکھیں ہندو اور مسلمان ہیں۔ اگر وہ دونوں آپس میں نفاق رکھیں گے تو وہ پیاری دلھن بھینگی ہو جاوے گی۔ اور اگر ایک دوسرے کو برباد کریں گے تو وہ کانڑی بن جاوے گی۔ پس اے ہندستان کے رہنے والے ہندو مسلمانو! اب تم کو اختیار ہے کہ چاہو اس دلھن کو بھینگا بناؤ، چاہو کانڑا۔

بے شک انسانوں میں باہم کبھی کبھی رنج ہو جانا ایک قدرتی بات ہے۔ ہندو اور مسلمانوں پر موقوف نہیں ہے۔ آپس میں، ہندو ہندوؤں میں، مسلمان مسلمانوں میں، بھائی بھائیوں میں، باپ بیٹوں میں، ماں بیٹیوں میں رنج ہو جاتا ہے۔ مگر اس رنج کو قائم رکھنا اور پکائے جانا اور بڑھائے جانا انسان کی، ملک کی، قوم کی، خاندان کی پوری بدبختی ہے۔ کیا مبارک ہیں وہ لوگ جو معافی چاہتے ہیں اور اس گرہ کے کھولنے میں جو محبّت میں اتفاق سے پڑ گئی ہے، پیش قدمی کرتے ہیں اور اپنے بھائی یا ہم وطن یا ہم قوم سے بے قصور ہونے پر بھی معافی چاہتے ہیں اور محبت کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ مقلّبُ القلوب! تو ہندستان کے لوگوں کے دلوں کو اسی طرف پھیر دے۔

(۲۷/جنوری ۱۸۸۳ء کو پٹنہ میں دیا گیا لکچر)

لفظ و معنی

عضو - جسم کا حصّہ، (جمع اعضا)

اعضائے رئیسہ - جسم کے اہم حصّے جیسے دماغ، دل، جگر وغیرہ

بہ منزلۂ - بجائے، بہ طور

عقیدہ - مذہبی اصول کو ماننا، بھروسہ، اعتبار

بالعقیدہ - عقیدے کے ساتھ

ابنائے جنس - ایک ہی جنس کے، ہم جنس

مقدّس - پاک، احترام کے لائق

مُشابہ - ملتا جلتا، مانند، مثل، مطابق

قطعِ نظر - نظر ہٹانا

بہبودی - بھلائی

بدخواہی - بُرا چاہنا
تفرقہ - فرق، نااتّفاقی، نفاق، پھوٹ
مُضرّت - نقصان، ضرر
اپنے پانو پر کلھاڑی مارنا - اپنا بُرا آپ کرنا
کانڑی - ایک آنکھ سے اندھی
مَوقُوف - چھوڑ دیا گیا، برخاست کیا گیا
گرہ کھولنا - گانٹھ کھولنا، دل کی رنجش دور کرنا
پیش قدمی - پہل، آغاز، چڑھائی، جرأت
قلب - دل (جمع قلوب)
مقلّب القلوب - دلوں کو پھیرنے والا، ارادہ بدل دینے والا، اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے

آپ نے پڑھا

- ہندو ہونے یا مسلمان ہونے کا تعلّق عقیدے سے ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ایک انسان کا دوسرے انسانوں سے برتاو محض عقیدے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ وہ جن کے بیچ رہتا ہے، ان کے لیے اس کے دل میں اخلاق، محبت اور ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے۔ اسی زاویۂ نگاہ کے پیشِ نظر سرسیّد احمد خاں نے ہندو اور مسلمانوں کے بیچ بڑھ رہے آپسی نفاق اور رنجش کو دور کرنے کے لیے دلیلوں، مثالوں اور تاریخی حوالوں کا اپنے خطبے میں استعمال کیا ہے۔
- دونوں قومیں ہندستان کی دھرتی پر مختلف مقامات سے آ کر بسیں۔ انھوں نے اسی کو اپنا وطن مان لیا اور اب یہی اُن کے جینے اور مرنے کی جگہ ہے۔ ایک ہی دھرتی کے باشندہ ہونے کے سبب دونوں دو قومیں نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔
- مذہب اور عقیدے سے الگ مخصوص جغرافیائی حدود میں بسنے والے انسانی گروہوں کو ایک قوم قرار دینا سرسیّد احمد خاں کی روشن خیالی اور وسیع النظری کی دلیل ہے۔
- ہندوؤں اور مسلمانوں کے جس اجتماع کو انھوں نے خطاب کیا؛ آسان لفظوں اور سمجھ میں آ جانے والی سامنے کی مثالوں کے ذریعہ سب کو قائل کرنے کی کوشش کی، اس کے واقعتاً دُور رس نتائج سامنے آئے۔
- یہ سرسیّد احمد خاں کا نہایت مشہور خطبہ ہے جو عظیم آباد میں دیا گیا۔ اس خطبے سے سرسیّد کی روشن خیالی، جذبۂ خیرسگالی، اخوّت اور بھائی چارے میں ان کے اعتماد کا پتا چلتا ہے۔

آپ بتائیے

1- سرسیّد احمد خاں کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟
2- ان کے اردو رسالے کا نام کیا تھا؟ یہ کب سے شائع ہونا شروع ہوا؟

3- علی گڑھ میں قائم ہونے والے ان کے مدرسے کا کیا نام تھا؟ یہ مدرسہ کب قائم ہوا؟

4- 1857ء کے غدر کے متعلق لکھی ہوئی ان کی کتاب کا کیا نام ہے؟

5- کیا سر سیّد ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کرتے تھے؟

6- ''ہندستان ایک دلھن کے مانند ہے۔'' انھوں نے یہ بات کیوں کہی؟

مختصر گفتگو

1- ملک کی ترقّی کے لیے سر سیّد ہندو مسلم اتحاد کو کیوں ضروری خیال کرتے تھے؟

2- ہندستانی قومیت کے فروغ میں سر سیّد کی خدمات واضح کیجیے؟

3- سر سیّد کی حیات کے تعلق سے آپ کیا جانتے ہیں؟ بتائیے۔

4- ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین محبت پیدا کرنے کے لیے کس طرح کی پیش قدمی پر سر سیّد نے زور دیا ہے؟

تفصیلی گفتگو

1- سر سیّد کے خطبے کے اہم نکات واضح کیجیے۔

2- سر سیّد کی تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالیے؟

3- کیا سر سیّد احمد خاں جدید ہندستان کے معمار ہیں؟ دلیلوں کے ساتھ واضح کریں۔

4- ''جس طرح ہندوؤں کی شریف قومیں اس مُلک میں آئیں، اُسی طرح ہم بھی اس ملک میں آئے''۔ کیا سر سیّد کا یہ خیال ایک تاریخی حقیقت ہے؟

5- ''افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس نکتے کو نہیں سمجھتے اور آپس میں ان دونوں قوموں میں تفرقہ ڈالنے کے خیالات پیدا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس مضرّت اور نقصان میں خود بھی شامل ہیں اور آپ اپنے پانو پر کلھاڑی مارتے ہیں۔'' سر سیّد کی اس عبارت کی تشریح کیجیے۔

آیئے، کچھ کریں

1- سر سیّد کے اس خطبے کو ایک طالب علم یا چند طلبہ زبانی یاد کرلیں اور اسے اساتذہ اور طلبہ پر مشتمل سامعین کے ایک اجتماع میں خطبے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے سنائیں۔ طالب علم کی آواز بلند، اُس کا لہجہ متین وشائستہ اور اُس کے کھڑا ہو کر سنانے کا انداز پُر وقار ہونا چاہیے۔

2- اسکول کی لائبریری میں سر سیّد کی کتابوں کی تلاش کیجیے اور ان کے اہم اقوال منتخب کیجیے۔

3- سر سیّد کی تحریک کے چند رفقا کی تصاویر اور ان کے حالاتِ زندگی جمع کیجیے۔

خط

خط، خیریت کی ترسیل اور تبادلۂ خیالات کا بنیادی ذریعہ ہے۔ یہ اُسے لکھا جاتا ہے جو حاضر نہیں ہوتا۔ انسان اپنی کسی ضرورت سے، چاہے وہ ذاتی ہو یا قومی، خط لکھتا ہے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انسان نے جب سے لکھنے اور پڑھنے کا سلسلہ قائم کیا، اسی زمانے سے دنیا میں خط آنے جانے کا رواج قائم ہوا ہوگا۔ جیسے جیسے انسانی آبادی میں اضافہ ہوا اور ترقی، خوش حالی اور تحفظ کے سبب لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے لگے، شاید انھی دنوں قبیلے کے احوال جاننے اور بتانے کے لیے خط کا پہلے پہل استعمال کیا گیا۔

عہدِ جدید میں بالخصوص مغربی تعلیم کے فروغ کے زمانے میں مکتوب نویسی کا باضابطہ سلسلہ اس وجہ سے قائم ہوا کیوں کہ ان خطوط کے لانے اور لے جانے کو ادارہ جاتی استحکام ملا۔ ہندستان میں بھی سولھویں صدی کے آغاز میں شیر شاہ سوری نے محکمۂ ڈاک جیسی ابتدائی تنظیم کو کامیابی کے ساتھ قائم کیا تھا۔ مغل حکومت کے زمانے میں فارسی میں مکتوب نویسی کا رواج تھا۔ علمائے کرام، بادشاہ، اُمرا اور روسا یا ادبا و شعرا کے جو خطوط آج محفوظ ہیں، وہ سب کے سب فارسی میں ہیں۔ یہاں تک کہ اردو کے شعرا بھی بہ شمول مکتوب نویسی تمام نثری کام فارسی میں ہی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اردو میں اہم شعرا و ادبا کی طرف سے لکھے جانے والے خطوط کی تاریخ مرتب کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ 1846ء کے بعد ہی غالب نے اردو میں اپنے احباب کو خطوط لکھنا شروع کیا۔ اسی زمانے میں غلام غوث بے خبر بھی اردو مکتوب نویسی کی طرف آئے۔ غالب نے اپنی زندگی کی آخری دو دہائیوں میں تقریباً 900 خطوط اپنے عزیزوں، دوستوں اور شاگردوں کے نام روانہ کیے۔ ان کے خطوط کے دو مجموعے ان کی زندگی میں ہی شائع ہو گئے۔ غالب کے بعد سر سیّد، حالی، شبلی، ابوالکلام آزاد، سیّد سلیمان ندوی، علامہ اقبال، مہدی افادی، عبدالماجد دریابادی، پریم چند، فیض احمد فیض، صفیہ اختر وغیرہ کے خطوط کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ یہ مکتوبات اطلاعات کا بڑا خزینہ ہیں اور ان سے زندگی کے سینکڑوں پوشیدہ پہلو آئینہ ہو جاتے ہیں۔

خط ذاتی نوعیت کی چیز ہے۔ مکتوب نگار کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسے لکھ رہا ہے، وہی اسے دیکھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر مکتوب نگار اپنے دل کی وہ باتیں بھی لکھ جاتے ہیں جنھیں دوسرے مواقع پر اُسے پیش کرنے میں دشواری ہو سکتی تھی۔ جذبات کی جس رَو میں مکتوب نویس نے خط لکھا اور اُسے روانہ کر دیا، وہ خط چھوٹا ہو یا بڑا ہوتا ہے۔ مکتوب نگار جس زمانے یا جس مقام سے خط لکھتا ہے، وہ اپنے حالات بیان کرتے ہوئے بے ارادہ اپنے زمانے اور دوسروں کے احوال بھی متوازی طور پر رقم کرتا چلتا ہے۔ اسی لیے کسی بھی اہم شخصیت کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے خطوط نہایت ضروری اور سنجیدہ ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ غالب کے خطوط اردو کی ادبی تاریخ کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں جہاں سچائی اور بَرملا اظہارِ بیان نے اپنی معراج حاصل کر لی ہے۔

اسداللہ خاں غالب

مرزا غالبؔ جن کا پورا نام اسد اللہ بیگ خان تھا، 27 دسمبر 1797ء کو اپنی نانھیال آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ اور والدہ کا عزت النسا بیگم تھا۔ غالبؔ کے نانا خواجہ مرزا غلام حسین خاں سرکارِ میرٹھ کے ایک فوجی افسر اور آگرہ کے عمائد میں سے تھے۔

غالب ابھی بچّے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ والد کے انتقال کے بعد اُن کے چچا نصراللہ بیگ خاں نے انھیں اپنی سرپرستی میں لے لیا لیکن چند برسوں بعد وہ بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اس کے بعد غالب اپنی ماں کی سرپرستی میں رہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں لیکن اتنا پتا ہے کہ فارسی کی ابتدائی تعلیم مولوی معظّم کے ذریعے ہوئی۔ مولوی معظّم کے مکتب کے زمانے میں ہی غالب کی شعرگوئی کی ابتدا ہو چکی تھی۔

تیرہ برس کی عمر میں غالب کی شادی خاندانِ لوہارو میں الٰہی بخش خاں معروف کی بیٹی امراؤ بیگم سے ہوئی۔ شادی کے چند برسوں بعد انھوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ دہلی میں انھیں خاصی مالی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خاندانی پنشن کے سلسلے میں انھوں نے کلکتے کا طویل سفر کیا لیکن انھیں نامرادی ہاتھ لگی۔ جب اُن کا باضابطہ تعلق قلعۂ معلّیٰ سے ہوا تو حالات میں قدرے بہتری آئی لیکن غدر کے ہنگامے نے ساری بساط ہی پلٹ دی۔ رام پور کے دربار سے وابستگی اور قلعۂ معلّیٰ سے پنشن کی واگذاشت کے باوجود وہ پریشان ہی رہے اور اسی عالم میں 15 فروری 1869ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

غالب نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھا۔ ''پنج آہنگ''، ''مہرِ نیم روز''، ''دستنبو''، ''قاطع برہان''، ''درفش کاویانی'' اور ''کلیاتِ نظمِ فارسی'' وغیرہ ان کی فارسی تصنیفات ہیں۔ اردو میں متداول دیوان کے علاوہ مرزا کی زندگی میں ہی ان کے اردو خطوط کے دو مجموعے ''عودِ ہندی'' اور ''اردوے معلّیٰ'' کے نام سے چھپے۔ بعد میں لوگوں نے مختلف ناموں سے ان کی بکھری تخلیقات کو اکٹھا کر کے شائع کیا۔ ان کا تخلص پہلے اسدؔ تھا، بعد میں انھوں نے غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ غالبؔ کی طبیعت میں جدّت پسندی تھی۔ شروع میں انھوں نے معروف فارسی شاعر بیدلؔ کی پیروی کی لیکن بہت جلد اس رنگ کو چھوڑا اور نئی راہ اختیار کی۔

غالبؔ کے خطوط بھی اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ اپنے مکتوبات میں انھوں نے بے تکلفانہ لہجہ اختیار کیا۔ بیان کی سادگی، لہجے کے سوز اور ظریفانہ اندازِ بیان نے ان کے خطوط کو خاصے کی چیز بنا دیا ہے۔ اس سے نہ صرف غالب کی ذہنی روش کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ان کی شخصیت بھی نکھر کر ہمارے سامنے آتی ہے۔

خط

اسد اللہ خاں غالبؔ

بہ نام میر مہدی مجروح

ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو؟ ''مجتہد العصر'' کے مسوّدے کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے، ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمھارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافے کریدا کرو، مسوّدے کے کاغذ کو بار بار دیکھا کرو، پاؤ گے کیا؟ یعنی تم کو وہ محمد شاہی رَوِشیں پسند ہیں۔ ''یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمھارا بہت دن کے بعد پہنچا، جی خوش ہوا۔ مسوّدہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار! میر سرفراز حسین کو دعا دینا اور دعا کہنا۔ اور ہاں، حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازمۂ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔'' کیوں؟ سچ کہو، اگلوں کے خطوں کی تحریر کی یہی طرز تھی یا اور؟ ہائے! کیا اچھا شیوہ ہے! جب تک یوں نہ لکھو، وہ خط ہی نہیں ہے۔ چاہِ بے آب ہے، ابرِ بے باراں ہے، نخلِ بے میوہ ہے، خانۂ بے چراغ ہے، چراغِ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں، تم زندہ ہو، تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں۔ امرِ ضروری کو لکھ لیا، زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا، اور اگر تمھاری خوشنودی اسی طرح کی طرزِ نگارش پر منحصر ہے تو بھائی! ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا نمازِ قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟ خیر! ہم نے بھی وہ عبارت جو مسوّدے کے ساتھ لکھی تھی، اب لکھ بھیجی۔ قصور معاف کرو۔ خفا نہ ہو۔

میر نصیر الدین ایک بار آئے تھے، پھر نہ آئے۔ نثرِ فارسی نئی میں نے کہاں لکھی کہ تمھارے چچا کو یا تم کو بھیج دوں۔ نواب فیض محمد خاں کے بھائی حسن علی خاں مر گئے۔ حامد علی خاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپے کی ڈگری بادشاہ پر ہوگئی۔ کلو داروغہ بیمار ہو گیا تھا، آج اس نے غسلِ صحت کیا۔ باقر علی خاں کو مہینا بھر سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں۔ شہر چپ چاپ، نہ کہیں بھاوڑا بجتا ہے، نہ سُرنگ لگا کر کوئی مکان اُڑایا جاتا ہے، نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلّی شہرِ خموشاں ہے۔

کاغذ نبڑ گیا ورنہ تمھارے دل کی خوشی کے واسطے ابھی اور لکھتا۔

غالبؔ

22 ستمبر 1861ء

اسداللہ خاں غالبؔ　　　　　　　　　　　　　　　　خط

بہ نام ہرگوپال تفتہ

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی سے معاف

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور! پہلے تم کو یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوستِ قدیم میر مکرّم حسین صاحب کی خدمت میں میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا حال مجھ کو بھی نہیں معلوم۔ مرزا حاتم علی بیگ صاحب مہرؔ کی خدمت میں میرا اسلام کہنا اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھنا:

شرطِ ایمان بود ورزشِ ایماں بالغَیب　　　　اے تو غائب زنظر، مہرِ تو ایمانِ من ست

تمھارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا کہ اس کے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہنچا۔ سنو صاحب! جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو اور وہ اس میں بے تکلف عمر بسر کرے، اس کا نام عیش ہے۔ تمھاری توجہ مُفرط بہ طرف شعروسخن کے تمھاری شرافتِ نفس اور حسن طبع کی دلیل ہے اور بھائی یہ جو تمھاری سخن گستری ہے، اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے۔ میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی رَوِش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں! اپنے ہندی کلام میں ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ گاہ جب دل اُلٹنے لگتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے:

زندگی اپنی جب اس شکل سے گُزری غالبؔ!　　　　ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خُدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں:

اے مرگِ ناگہاں! تجھے کیا انتظار ہے؟

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دکھ مجھ کو ہے، اس کا بیان تو معلوم! مگر اُس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے جو اِن رُوسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے، اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا، اور کوئی میرا شفیق، اور کوئی دوست، اور کوئی میرا یار، اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندستانیوں میں کچھ عزیز، کچھ دوست، کچھ شاگرد، کچھ معشوق، سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے۔ جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو، اس کو زیست کیوں کر نہ دشوار ہو! ہائے! اتنے یار مَرے کہ جو اَب مَیں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

1858ء　　　　　　　　　　　　　　　　غالبؔ

اسداللہ خاں غالب　　خط

بہ نام علاءالدین خاں علائی

جانِ غالب! یاد آتا ہے کہ تمھارے عمِ نامدار سے سنا ہے کہ لغاتِ "دساتیر" کی فرہنگ وہاں ہے۔ اگر ہوتی تو کیوں نہ تم بھیج دیتے؟ خیر!

آں چہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

تم ثمرِ نورَس ہو اُس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو ونما پائی ہے، اور میں ہوا خواہ وسایہ نشین اس نہال کا رہا ہوں، کیوں کر تم مجھ کو عزیز نہ ہوگے؟ رہی دید وادید، اس کی دو صورتیں: تم دِلّی آؤ یا میں لوہارو آؤں۔ تم مجبور، میں معذور۔ خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو، جب تک یہ نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے؟

سنو! عالم دو ہیں: ایک عالمِ ارواح اور ایک عالمِ آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے: لِمَنِ الملكُ اليوم ؟ اور پھر آپ جواب دیتا ہے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار۔ ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالمِ آب و گل کے مجرم عالمِ ارواح میں سزا پاتے ہیں، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالمِ ارواح کے گنہ گار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چناں چہ میں آٹھویں رجب سنہ ۱۲۱۲ھ میں رُوبہ کاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ۷ا رجب سنہ ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکمِ دوامِ حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پانو میں ڈال دی اور دِلّی شہر کو زنداں مقرّر کیا اور مجھے اس زِنداں میں ڈال دیا۔ فکرِ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایانِ کار مجھے کلکتے سے پکڑ لائے اور پھر اسی مَحبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے، دو ہتھکڑیاں اور بڑھا دیں۔ اور پانو بیڑی سے فگار، ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخم دار۔ مشقتِ مقرری اور مشکل ہوگئی، طاقت یک قلم زائل ہوگئی۔ بے حیا ہوں، سالِ گذشتہ بیڑی کو زاویۂ زنداں میں چھوڑ، مع دونوں ہتھکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ، مرادآباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکمِ رہائی دیکھیے کب صادر ہو؟ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسی ماہ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر، بعدِ رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا، میں بھی بعدِ نجات سیدھا عالمِ ارواح کو چلا جاؤں گا۔

فرّخ آں روز کہ از خانۂ زنداں بروم
سوئے شہرِ خود ازیں وادیِ ویراں بروم

8/جون 1861ء　　غالب

لفظ و معنی (خط بہ نام میر مہدی مجروح)

مُجتہد	-	اجتہاد کرنے والا، کتاب اور سنّت سے دینی مسائل نکالنے والا
عصر	-	زمانہ، وقت
مسوّدہ	-	وہ تحریر یا عبارت جو پہلی دفعہ سرسری طور پر لکھی گئی ہو
اصلاح دینا	-	درست کرنا، سنوارنا، غلطی نکالنا
روِش	-	طریقہ، چال
برخوردار	-	بیٹا، خوش، پھولا پھلا
سعادت مندی	-	نیک بختی، فرماں برداری
شیوہ	-	طور، طریقہ، انداز
چاہ	-	کنواں
ابر	-	بادل، گھٹا
نخل	-	درخت، کھجور کا درخت
زوائد	-	زاید کی جمع، فضول اور بحث سے خارج باتیں
امر	-	کام، بات
خوشنودی	-	رضامندی، خوشی
طرزِ نگارش	-	لکھنے کا طریقہ
غسلِ صحت	-	بیماری سے اچھا ہونے پر نہانا
تپ	-	بخار
غدود	-	گلٹی، جسم کے اندر کی گانٹھ
دمدمہ	-	مصنوعی قلعہ، مورچہ
نبڑنا	-	خرچ ہو جانا، باقی نہ رہنا

خط بہ نام ہرگوپال تفتہ

شہرِ خموشاں	-	قبرستان
تلخ نوائی	-	ناگوار آواز، کڑوی بات
ذوق	-	شوق
سخن گستری	-	شعر کہنا

نام آوری	-	شہرت
مرگِ ناگہاں	-	وہ موت جو اچانک آجائے
شفیق	-	مہربان، ہمدرد
زیست	-	زندگی، حیات، عمر
امیدگاہ	-	امید کی جگہ، جس سے امیّد کی جائے

خط بہ نام علاء الدین خاں علائی

ہواخواہ	-	خیر خواہ، بھلائی چاہنے والا
عمِ نامدار	-	نامور چچا
نہال	-	تازہ لگا ہوا پودا
سایہ نشیں	-	سائے میں بیٹھنے والا
نَورس	-	میوۂ تازہ، نیا پکا ہوا پھل
ثمر	-	پھل
نشوونُما	-	پھولنا، پھلنا
عُذر	-	بہانہ، معذرت
معذور	-	مجبور، لاچار
زنہار	-	ہرگز، کبھی نہیں
مسمُوع	-	سنا گیا، قبول کیا گیا
عالمِ ارواح	-	عالمِ غیب، وہ دنیا جہاں روحیں رہتی ہیں
عالم آب و گل	-	دنیا
روبکاری	-	مقدّمے کی پیشی
حوالات	-	قید خانہ
دوامِ حبس	-	عمر قید
صادر ہونا	-	حکم یا قانون پاس ہونا
زنداں	-	قید خانہ
شَرق	-	مشرق، پورب
بلاد	-	بلد کی جمع، شہر

پایانِ کار - آخرکار
گریزپا - بھگوڑا، وحشت زدہ
فِگار - زخمی
مُشقتِ مقرّری - مقرّر کی ہوئی سختی
زائل - دور ہونے والا، کم ہونے والا
احتمال - شک، وہم

فارسی اشعار اور عربی فقروں کا اردو ترجمہ

(خط بہ نام ہرگوپال تفتہ)

- شرطِ ایمان بود ورزشِ ایماں بالغیب
  اے تو غائب زنظر، مہرِ تو ایمانِ من ست
  [غیب پر ایمان رکھنا، ایمان کی شرط ہے
  اے میری نظروں سے اوجھل (رہنے والے)، تیری محبت میرا ایمان ہے]
- انّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
  [بے شک ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔]
  یہ آیت مصیبت یا کسی کی موت کی خبر سن کر پڑھتے ہیں۔

(خط بہ نام علاء الدین خاں علائی)

- آں چہ ما در کار داریم اکثرے در کار نیست
  [جو کچھ ہمیں مطلوب ہے، اکثر نہیں ملتا۔]
- لِمَنِ الْمُلکُ الْیَوم
  [کس کا راج ہے اُس دن؟]
- لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّار
  [اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا]
  [پارہ۔۲۴، سورۃ المومن، آیت نمبر۔۱۴]
- فرخ آں روز کہ از خانۂ زنداں بروم
  سوئے شہرِ خود ازیں وادیِ ویراں بروم
  [خوشا وہ دن کہ میں قید خانے سے آزاد ہو جاؤں
  (اور) اس ویرانے سے اپنے شہر کی جانب جاؤں]

آپ نے پڑھا

- غالب کی شاعری کے ساتھ اُن کے اردو خطوط کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اُن کی شاعری کی اہمیت اپنی جگہ لیکن وہ اردو کے صاحبِ طرز نثر نگار اور بے مثل مکتوب نگار بھی ہیں۔
- غالب نے خود کہا: ''میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو'' (خط بہ نام حاتم علی مہر)۔ غالب کی مکتوب نویسی کا یہ بڑا کمال ہے کہ انھوں نے دو لوگوں کے بیچ مراسلے کو گفتگو بنا دیا جیسے دونوں آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے سے محوِ گفتگو ہیں۔
- غالب نے کہا: ''میں نے آئینِ نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں'' (خط بہ نام قاضی عبدالجمیل جنوں)۔ غالب نے رسمی انداز کی باتوں یا تکلفانہ ماحول کے لیے خطوط میں زیادہ گنجایش قائم نہیں ہونے دی۔ کام کی باتوں کو سادہ، صاف اور عام فہم انداز میں لکھ دیا جائے، یہی خطوط نویسی کا مقصد ہے اور غالب اسی اظہارِ واقعی کو اہمیت دیتے ہیں۔
- غالب نے ایک جگہ لکھا: ''پیر و مرشد! یہ خط نہیں لکھنا ہے، باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا'' (خط بہ نام نواب انوارالدولہ شفق)۔ ایک فارسی خط میں کہتے ہیں: ''مکتوب الیہ کو اس کی حیثیت کے مطابق پکارتا ہوں۔ القاب اور آداب اور عافیت حشو زائد ہے'' (پنج آہنگ)۔ غالب اپنے خطوط میں غیر ضروری القاب و آداب یا تکلفات سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنے ڈھالے اور بنائے القاب، مقدور بھر اختصار کے ساتھ استعمال میں لاتے ہیں۔ اسی لیے وہ القاب یا آداب عمومی کے بجائے خصوصی ہو جاتے ہیں۔
- غالب کو اُن کے سوانح نگار حالی نے ''حیوانِ ظریف'' کہا ہے۔ ظرافت، ہنسی، مذاق، ٹھٹھول غالب کے مزاج کے غالب عناصر ہیں۔ اپنی بے چارگی، کسمپرسی اور بے سروسامانی پر بھی ہنسنے ہنسانے کے مواقع ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اُن کے خطوط اُن کی شخصیت اور اندازِ تحریر کی ان خصوصیات سے مالا مال ہیں۔
- غالب نے اپنی عمر کی آخری دو دہائیوں میں اردو مکتوب نویسی کی طرف توجہ کی۔ خاص طور سے غدر کے دوران اور اس کے بعد اُنھوں نے بڑی تعداد میں اپنے شاگردوں، اعزا اور احباب کو اردو خطوط روانہ کیے۔ اس زمانے میں وہ شدید طور پر تنہا اور اکیلے ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے خود لکھا: ''میں اس تنہائی میں صرف خطوط کے بھروسے پر جیتا ہوں'' (خط بہ نام مرزا ہرگوپال تفتہ)۔ اس طرح خود غالب کی بے بسی اور ایام غدر کے حالات ان خطوط میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں جن سے یہ خطوط دستاویزی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔
- غالب کی شخصیت کی رنگارنگی اور بوقلمونی اور اُن کے عہد کے زندہ جاوید مرقعے خطوطِ غالب میں بکھرے پڑے ہیں۔

کچھ اور باتیں [مکتوب الیہ کے بارے میں]

- میر مہدی مجروؔح ولد میر حسین فگار 1833ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اُن کی زندگی بہت افراتفری اور بے امانی میں گزری۔ وہ نائب تحصیل دار، تحصیل دار اور شہر کوتوال کے عہدے پر مامور ہوئے لیکن پانی پت سے دہلی، دہلی سے جے پور اور پھر دہلی سے رام پور مسلسل ہجرت اور نقلِ مکانی میں رہے۔ اخیر عمر میں نواب حامد علی خاں کی قدردانی کے سبب تھوڑی فراغت نصیب ہوئی۔ 15 مئی 1903ء کو اُن کی موت ہوئی۔

وہ غالب کے محبوب شاگردوں میں تھے۔ غالب نے اُن کے نام بڑی تعداد میں خطوط لکھے۔ مطبوعات میں "مظہرِ معانی"، "انوارالاعجاز" (نثر) اور "ہدایۃ الائمہ" (نثر) شامل ہیں۔ غالب کی وفات پر اُن کا شخصی مرثیہ یادگار ہے۔

- منشی ہرگوپال تفتہؔ ولد موتی لال 1799ء میں سکندر آباد (ضلع بلند شہر) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ فارسی کا شوق شروع سے تھا۔ وہ وکالت کے علاوہ کئی ملازمتوں سے متعلّق رہے لیکن طبیعت کہیں نہیں لگی۔ 2 ستمبر 1879ء کو سکندر آباد میں وفات پائی۔ تفتہ ابتدا میں راؔمی تخلّص کرتے تھے۔ جب غالب کی شاگردی اختیار کی تو مرزا تفتہؔ ہو گئے۔ وہ غالب کے دل پسند شاگردوں میں تھے۔ اُن کی شاعری کا بیش تر حصّہ فارسی زبان میں ہے۔ ان کے چار دیوان یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ ایک طویل مثنوی "سُنبلستان" اور 222 اشعار کا ایک مرثیہ ملتا ہے جو تفتہؔ نے اپنے بیٹے ہتمبر سنگھ کی وفات پر لکھا تھا۔

- نواب علاء الدین خاں علائؔی ولد نواب امین الدین احمد خاں 25 اپریل 1833ء کو دلّی میں پیدا ہوئے۔ اُن کی تعلیم کی ابتدا غالبؔ کی نگرانی میں ہوئی۔ غالب کے عزیزوں میں تھے اور اُن کی اہلیہ کے قریبی رشتے دار بھی تھے۔ اردو اور فارسی دونوں میں اشعار کہتے تھے۔ لیکن فارسی سے زیادہ رغبت کے سبب کلام کا بیش تر حصّہ فارسی میں ہی ہے۔ علائؔی کو شطرنج کے کھیل سے خاص شغف تھا۔ جس کے لیے اُنھوں نے ایک شطرنج سوسائٹی کی بنیاد ڈالی تھی۔ اُس میں اس وقت کے بڑے بڑے اُدبا، شعرا اور انگریز منصب دار شامل تھے۔ علائؔی کی وفات 31 اکتوبر 1884ء کو ہوئی۔

خط نمبر-۱ بہ نام میر مہدی مجروح

- اس خط کا بڑا حصّہ میر مہدی مجروؔح کی شکایت کے جواب میں صَرف ہوا ہے جہاں غالب اپنے مخصوص آدابِ مکتوب نگاری کی وضاحت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ "کام کی باتوں" یا "ضروری باتوں" کی مرکزیت یہاں بھی قائم ہے۔ وہ کہتے ہیں: "امرِ ضروری کو لکھ لیا، زوائد کو اَور وقت پر موقوف رکھا۔" غالب اسی اصول کی یہاں وضاحت کرتے نظر آتے ہیں۔

- "لفافے کُریدا کرو" یا "مسوّدے کے کاغذ کو بار بار دیکھا کرو" جیسے فقروں سے غالب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان لفظوں کے اندر بھی بعض گہرے معنیٰ موجود ہیں۔ غالب مجروح کی شکایت کا مذاق کی صورت میں جواب

دیتے ہیں اور مختلف انداز اور اسلوب اختیار کر کے مفہوم سے خالی یا خط کے مضمون سے الگ بہت سارے فقروں کو جمع کر دیتے ہیں۔

- خط کو ختم کرتے وقت غالب غدر کے بعد کی تباہیوں کو یاد کرتے ہوئے نہایت طنزیہ لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ ابتری پھیلانے والی اشیا، اوزاروں یا احوالِ ناگفتہ بہ کے نہیں ہونے سے ''شہر چپ چاپ'' مراد لیتے ہیں لیکن ان اطلاعات کا آخری سرا وہ اس جملے پر ختم کرتے ہیں: ''دلّی شہرِ خموشاں ہے''۔ یعنی دلّی شہر نہیں، آدمیوں کے رہنے کی جگہ نہیں، ایک قبرستان ہے۔ ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کب بے تکلفانہ گفتگو ایک آن میں اس قدر سنجیدہ اور المناک ہوگئی اور ہم حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ میر نے بھی غالب کے ایک سو سال پہلے کی دہلی کے احوال پر اسی انداز میں خامہ فرسائی کی تھی:

- دلّی کے نہ تھے کوچے، اوراقِ مصوّر تھے — جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی
- ہے سرا و مکاں و جا خالی — یار سب کوچ کر گئے شاید

مذکورہ خط میں غالب نے اپنے ایک خورد کو مخاطب کیا ہے۔ غالب کے یہاں خوردوں سے گفتگو کے دوران پُر تکلف انداز اور غیر ضروری سنجیدگی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور بات بات میں کام کی باتوں کا سلسلہ قائم کر دیتے ہیں۔

آپ بتائیے

1- غالب نے کس کو کہا کہ تم میرے ہم عمر نہیں ہو؟
2- میر مہدی مجروح کی تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش لکھیے؟
3- حالی کے علاوہ کسی دوسرے شاگرد نے بھی کیا غالب کا مرثیہ لکھا تھا؟
4- میر مہدی مجروح کی وفات کب ہوئی؟
5- غالب نے اردو خطوط، زندگی کے آغاز میں لکھے یا آخری زمانے میں؟
6- غالب نے کن کن زبانوں میں شاعری کی؟
7- غالب کے خطوط کے دو مجموعوں کے نام بتائیں؟

- **چاہِ بے آب، ابرِ بے باراں، نخلِ بے میوہ، نثرِ فارسی، امرِ ضروری، غسلِ صحّت**

ہر جگہ زیر کی اضافت کا استعمال کیا گیا ہے۔ دو لفظوں کے بیچ اضافت کے استعمال سے ترکیب بنائی جاتی ہے۔ یہاں یہ اضافت یعنی زیر 'کا'، 'کی'، 'کے' کے معنوں میں مستعمل ہے۔

مختصر گفتگو

1- غالبؔ نے نامہ نگاری کا کون سا نیا آئین بنایا؟ آپ اس کی پانچ خصوصیات واضح کیجیے۔
2- غالبؔ کی حیات سے متعلق دس جملے لکھیے۔
3- غالبؔ نے مکتوب نگاری کے لیے کون سے عناصر لازمی قرار دیے ہیں؟
4- غالبؔ نے دلّی کو ''شہرِ خموشاں'' کیوں کہا ہے؟

تفصیلی گفتگو

1- غالبؔ کے خطوط سے ان کی زندگی کے کس پہلو پر روشنی پڑتی ہے؟
2- غالبؔ کے خطوط ان کی زندگی کا آئینہ ہیں، واضح کیجیے۔
3- 'غالب بہ حیثیتِ مکتوب نگار' عنوان سے دو سو الفاظ میں ایک مضمون لکھیے۔

آئیے، کچھ کریں

1- غالب کے خطوط کو پڑھنے کے بعد آپ اپنے تاثرات خود انھیں مخاطب کرتے ہوئے قلم بند کیجیے۔
2- نصابی کتاب میں شامل تین خطوط سے الگ غالبؔ کے خطوط مختلف کتابوں سے تلاش کر کے ان میں سے پسندیدہ خطوط اپنی کاپی میں لکھیے۔

خط نمبر-۲ بہ نام ہرگوپال تفتہؔ

- اس خط سے غالبؔ کی مایوسی جھلکتی ہے۔ اپنی کسمپرسی، بے بسی اور لاچاری پر وہ ماتم کناں ہیں۔ اس احساس کو وہ مختلف انداز و اسلوب میں کاغذ پر اُتارتے ہیں۔
- غدر کے ہنگامے کے دوران غالبؔ نے یہ مکتوب روانہ کیا ہے، اس لیے خط کے آخری حصے میں تباہی اور بربادی کے واقعات اپنے آپ شاملِ متن ہو گئے ہیں۔
- غالبؔ اپنے ناگفتہ بہ حالات کے بیان میں طنزیہ رُخ اپناتے ہیں۔ مرزا تفتہ سے اُن کی شخصیت اور شاعری کی تعریف کرنے کے بعد اپنے دِگرگوں حالات کی طرف اشارہ کیے بغیر وہ نہیں رہ پاتے۔
- غالبؔ کے طنزیہ انداز کا یہ عروج ہے کہ انھوں نے بتایا کہ وہ اپنے تمام اشعار بھول چکے ہیں، بس ڈیڑھ اشعار یاد رہ گئے ہیں۔ غالب جب ایک مصرع اور ایک شعر، جو اُن کے قول کے مطابق انھیں یاد ہیں، پیش کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ غم انگیز اشعار ہیں اور زندگی کی بے چارگی اور موت کے انتظار سے عبارت ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا

ہے کہ غالبؔ نے اپنے حالات سے تنگ آ کر یہ بات لکھی ہے ورنہ انھیں تو واقعی ہزاروں اشعار یاد ہوں گے۔

❑ غالبؔ کے طنزیہ اسلوب کا نمونہ اُن کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔ وہ شعرگوئی کو وجہِ افتخار نہیں سمجھتے۔ کہتے ہیں:

سو پُشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری   کچھ شاعری ذریعۂ عزّت نہیں مجھے

یہاں بھی یہ بات ہرگز نہیں کہ وہ شاعری کو دوسرے درجے کی شے سمجھتے ہیں بلکہ اصل طنز ہے کیوں کہ بہترین شاعری کے باوجود انھیں زمانے نے وہ عزّت نہیں دی جس کے وہ حق دار تھے۔ اس لیے وہ بار بار اظہارِ بے اطمینانی کرتے ہیں۔ اس خط میں بھی ابتدائی حصّے میں یہی رویّہ ہے۔

❑ یہ خط ایّامِ غدر کے بیچ لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس میں اس عہد کے چند حقیقی کردار مندرج ہو گئے ہیں۔ غدر کے دوران انگریز بھی لڑائی میں مارے جا رہے تھے۔ غالبؔ ان کے لیے بھی ماتم کر رہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ دوسرے ہزاروں کی موت کا بھی انھیں غم ہے۔ ان سب کا ذکر کرتے ہوئے اختتامی کلمے کے طور پر وہ جملہ رقم کرتے ہیں جو نہ صرف غدر کا آئینہ ہے بلکہ غالبؔ کے حالات کا بھی مکمل آئینہ بن گیا ہے۔ ''ہائے اتنے یار مرے کہ جو اَب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا''۔ غالبؔ کا یہ مشاہدہ خون کے آنسو رُلاتا ہے۔

آپ بتائیے

1- غالبؔ نے اردو خطوط نویسی کیا 1857ء کے بعد شروع کی؟
2- غالبؔ کس شہر میں پیدا ہوئے؟
3- غدر کس تاریخ کو اور کس شہر سے شروع ہوا؟
4- غالبؔ کا جب دل گھبراتا تھا تب وہ اپنا کون سا مقطع بار بار پڑھتے تھے؟
5- منشی ہرگوپال تفتہؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

مختصر گفتگو

1- غالبؔ نے جو اپنا فارسی شعر نقل کیا ہے، اس کا ترجمہ پیش کیجیے؟
2- غالبؔ نے اس خط میں اپنے جو ڈیڑھ اشعار درج کیے ہیں، اُن کی تشریح کیجیے؟
3- تفتہؔ کی کن خوبیوں کی طرف غالبؔ نے اشارہ کیا ہے؟
4- غالبؔ پہلے مرنا کیوں پسند کرتے ہیں؟
5- اس خط میں غالب کس کا ماتم کر رہے ہیں اور کیوں؟
6- غالبؔ کس طرح اپنے شاگردوں کو اپنے خطوط میں مخاطب کرتے ہیں؟ واضح کریں۔

تفصیلی گفتگو

1- خطوط نویسی میں مرزا غالب کا انداز دوسروں سے مختلف ہے، بتائیے۔
2- غالب اور تفتہ کے مابین تعلقات پر ایک نوٹ قلم بند کیجیے۔
3- غالب کے ایسے دوسرے مکاتیب تلاش کیجیے جن میں غدر کے سلسلے سے تباہیوں کا ذکر ہو۔
4- غالب کی حیات اور تصنیفات کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون قلم بند کیجیے۔

خط نمبر-۳ بہ نام علاء الدین خاں علائی

- غالب کا یہ خط اپنے اسلوب اور موضوع دونوں اعتبار سے بہت یادگار ہے۔ اس میں ایک ساتھ استعاراتی اور طنزیہ دونوں اسالیب مل گئے ہیں۔ کبھی کبھی اس خط کے بعض حصے پر تمثیلی رنگ غالب آتا ہے۔ اس خط کا ڈرامائی انداز تاثّر آفرینی میں اضافہ کرتا ہے۔
- غالب نے اپنے خط میں جیل کے مناظر پیش کیے ہیں اور اس کے تمام متعلقہ امور اس میں درج کیے گئے ہیں لیکن یہ کسی جیل کا واقعہ نہیں ہے۔ اصل میں وہ اپنی پیدائش، شادی اور زندگی کے حالات پیش کر رہے ہیں۔
- انھوں نے عالمِ ارواح اور عالمِ آب و گِل کی اصطلاحیں استعمال کر کے یہ بتایا ہے کہ عام طور پر دنیا کے گنہ گار کو آخرت میں سزا دینے کا سلسلہ ہے لیکن کبھی کبھی اس کا الٹا بھی ہوتا ہے کہ آخرت کے گنہ گار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ یہیں وہ اپنی پیدائش اور حیات کی دیگر سرگرمیوں کا حال درج کرتے ہیں۔
- غالب نے بتایا کہ مقدّمے کی پیشی ورو بہ کاری کے لیے آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ کو یہاں بھیجا گیا۔ یعنی اس تاریخ کو غالب پیدا ہوئے۔ تیرہ برس حوالات میں رہے اور ۷ ار رجب ۱۲۲۵ھ کو حکمِ دوامِ حبس صادر ہوا۔ یہ غالب کی شادی کی تاریخ ہے۔ بیڑی کا پانو میں پڑنا بیوی کا زندگی میں آنا ہے۔ دلّی شہر کو زنداں مقرر کر کے اس میں ڈالنے کا مطلب اس شہر میں بس جانا ہے۔ فکرِ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرانے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں قید بامشقّت ملی ہوئی ہے۔ شعر گوئی اور نثر نگاری اب پوری زندگی کا کام ہے۔
- غالب نے آگے لکھا کہ جیل خانے سے بھاگا اور تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ یعنی وہ کلکتے گئے اور پھر وہاں سے دوبارہ پکڑ کر اُسی جیل خانے میں بٹھانے سے مراد دہلی واپسی ہے۔ دو ہتھکڑیاں اور بڑھانے کا مطلب اولاد اور اعزا کی پرورش ہے۔ اسی طرح پھر بھاگنے کا مطلب دوسرے سفر پر نکلنا ہے۔ حکمِ رہائی سے مطلب ہے موت اور وہ اس کے انتظار میں ہیں۔ آخرت کو وہ اپنا حقیقی گھر سمجھتے ہیں۔
- اس خط سے غالب کی تمام زندگی، اس کی بے چارگی اور بے بسی سب آئینہ ہیں۔ اس کا غیر رسمی اور

بعض اوقات سفا کانہ انداز آخر آخر غم ناکی کے انجام تک ہمیں پہنچا دیتا ہے جب وہ اپنی موت کی ایک متوقع تاریخ بھی پیش کرنے سے باز نہیں آتے۔حالاں کہ غالب کی کوشش یہی رہتی ہے کہ ایک ظریفانہ ماحول میں ہی سب کچھ چلتا رہے۔

آپ بتائیے

1- غالب کا سنہ ولادت بتائیے۔
2- غالب نے ثمرِ نورس کس کو کہا ہے؟
3- عالمِ ارواح اور عالمِ آب و گل سے کیا مراد ہے؟
4- غالب روبہ کاری کے واسطے کب بھیجے گئے؟
5- نواب علاء الدین خاں علائی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟
6- غالب کی ابتدائی تعلیم کس کی نگرانی میں ہوئی؟

نثر میں قافیہ پیمائی

☐ غالب نثرِ مرصّع کی روایت سے الگ ہو رہے تھے لیکن اُن کے ہاں بھی نثر میں قافیہ پیمائی جگہ جگہ مل جاتی ہے۔اس خط میں بھی ایسے ٹکڑے بار بار آتے ہیں۔ جیسے مجبور، معذور۔اس طرح غالب کے دوسرے خطوط سے تلاش کر کے نثر میں آزمائے گئے پانچ قافیوں کی نشان دہی کیجیے۔

مختصر گفتگو

1- قرآنی آیات کے دو مختصر ٹکڑے غالب نے اپنے خط میں درج کیے ہیں۔ان کا اردو ترجمہ بتائیے۔
2- فارسی کے ڈیڑھ اشعار اس خط میں شامل ہیں، اُن کا ترجمہ کیجیے۔

تفصیلی گفتگو

1- غالب نے آخر کن حالات میں اپنی زندگی کو جیل خانے سے مماثل قرار دیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔
2- غالب کے حالاتِ زندگی تفصیل سے معلوم کیجیے۔

آیئے، کچھ کریں

1- آپ غالب کو مخاطب کر کے ایک خط لکھیں جس میں غالب کا انداز واسلوب موجود ہو۔
2- خطوط غالب کے کسی مجموعے سے اپنی پسند کے پانچ خطوط تلاش کیجیے۔

اشفاق اللہ خاں

اشفاق اللہ خاں 22 اکتوبر 1900ء کو شاہ جہاں پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد شفیق اللہ خاں محکمۂ پولس میں انسپکٹر تھے جن کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔ والدہ مظہر النسا نے دوسرے تین بیٹوں کے ساتھ اِن کی پرورش کی۔ وہ پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ دینی کتابوں کے علاوہ اخبارات ورسائل کے مطالعے کا بھی انھیں شوق تھا۔ اشفاق نے کم عمری میں ہی شاعری شروع کر دی اور حسرت تخلّص اختیار کیا۔ ایک نامکمل خود نوشت سوانح اور تاریخی اہمیت کے چند خطوط نثر میں ان سے یادگار ہیں۔

تیرہ چودہ برس کی عمر سے انھوں نے گرد وپیش میں ہونے والے واقعات اور ملکی حالات سے اثر لینا شروع کر دیا۔ دہلی میں وائسرائے کی سواری پر ایک انقلابی کے بم مارنے کے واقعے اور مین پوری ڈکیتی کیس (1911ء) میں ماخوذ ملزموں کی قوم پرستی اور حریت پسندی سے وہ حد درجہ متاثر ہوئے۔ ان کے اندر انگریزوں سے نفرت اور خدمتِ وطن کی چنگاری بھر گئی۔ زمانۂ طالب علمی میں والٹر اسکاٹ کی نظم Love for Country پڑھنے کے بعد اُن میں وطن پر جاں نثاری کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ ان کے مطالعے میں آنے والی ایک انگریزی کتاب "Patriots of the World" نے اسی چنگاری میں ہوا کا کام کیا اور اب ان کی شخصیت شعلہ بن چکی تھی۔

آٹھویں جماعت کے بعد اسکول کی تعلیم کو اشفاق اللہ خاں نے خیر باد کہا اور 21-1920ء کے زمانے میں بنارسی لال اور پنڈت رام پرشاد بسمل جیسے انقلابیوں کی صحبتوں میں شامل ہوئے۔ ان اصحاب کے افکار واعمال نے ہی ان میں وطن کے لیے جاں نثاری کا جذبہ پیدا کیا۔ اسی زمانے میں اشفاق اللہ انڈین ری پبلکن ایسوسی ایشن نامی ایک خفیہ انقلابی جماعت میں شامل ہوئے جس کا مقصد ہندستان میں ایک آزاد جمہوریے کا قیام تھا۔ یہ جماعت کانگریس پارٹی کی پُر امن اور آئینی انداز میں کی جانے والی سیاسی تحریک سے متفق نہیں تھی۔ وہ انگریزی حکومت کے خلاف تشدّد کے ساتھ کچھ کر گزرنے کے لیے بے چین تھی۔ اس نے اپنی انقلابی مہم کو مستحکم کرنے کے لیے فنڈ کی فراہمی کی خاطر سرکاری خزانے کو لوٹنے کا بھی فیصلہ کیا۔

19 اگست 1925ء کی شب کو جب سرکاری خزانے کو لے کر ایک ٹرین سہارن پور سے لکھنؤ جاتے ہوئے کاکوری پہنچی تو اشفاق اللہ اور ان کے نو ساتھیوں نے اس پر دھاوا بول دیا اور خزانے کو لوٹ لیا۔ پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ حکومت کی مشنری حرکت میں آئی اور اُن کے چھے ساتھی گرفتار کر لیے گئے۔ اشفاق اللہ بھاگل پور، ہزاری باغ اور ڈالٹین گنج میں سال بھر تک روپوش رہے۔ آخر کار ستمبر 1926ء دہلی میں انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت نے مقدمہ چلایا اور 19 دسمبر 1927ء کو انھیں پھانسی دی گئی۔

ہندستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں اشفاق اللہ کا شمار صفِ اوّل کے مجاہدوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے وطن پر جاں نثاری کی جو مثال قائم کی، وہ گراں قدر ہے۔ اُن کا نام بھگت سنگھ، چندر شیکھر آزاد کی صف میں لیا جاتا ہے۔

اشفاق اللہ خاں (شہید)

جیل سے والدہ کے نام خط

اززندانِ فیض آباد (پھانسی کی کوٹھری) 15 دسمبر 1927ء

دکھیا اور بوڑھی ماں کی خدمت میں اس کے مرتے ہوئے فرزند کا سلام پہنچے جو اِسی ہفتے میں اس فانی دنیا کو الوداع کہہ کر اس ملکِ جاودانی کو جائے گا جہاں اس سے پہلے بھی سب جا چکے ہیں اور ہر ذی روح مستقبل میں بھی جائے گا۔

فنا ہے سب کے لیے ہم پہ کچھ نہیں موقوف
بقا ہے ایک فقط ذاتِ کبریا کے لیے

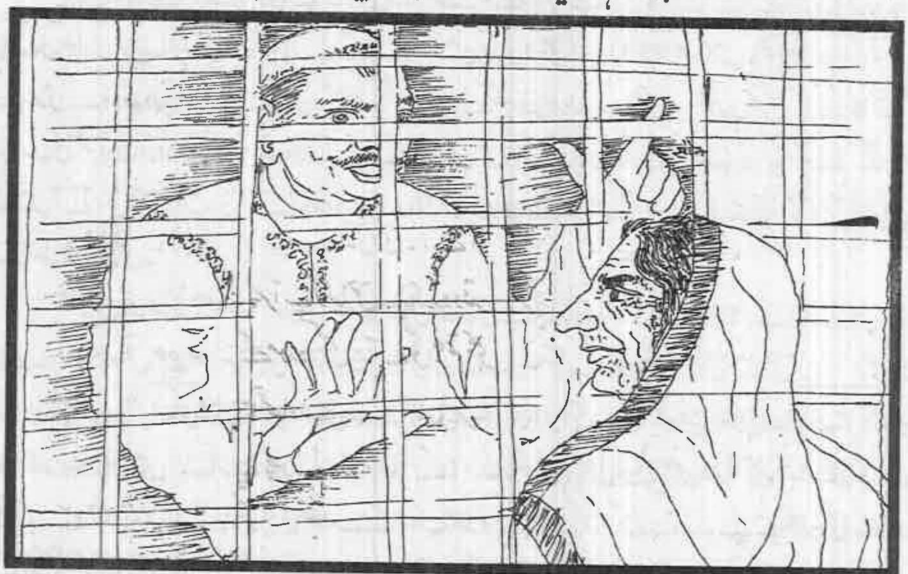

اس حقیقت سے آپ بھی بہ خوبی واقف ہیں اور تعلیم یافتہ ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ بوڑھی، سن رسیدہ، دکھیا ماں کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا ہے کہ اس کا جوان بیٹا نامراد دنیا سے اُٹھ جائے اور وہ اس کی نعش پر دو آنسو بھی نہ ڈال سکے یا اس کی مَری ہوئی صورت دیکھ سکے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ حکم کس کا ہے؟ کیا دنیا کے کسی انسان کا حکم ہے؟ کیا کوئی مجھے اس کے حکم کے بغیر مار سکتا ہے؟ اس نے روزِ ازل سے ایسا ہی لکھا تھا کہ اشفاق تجھ کو پھانسی پر مرنا ہے اور جب تو مَرے گا تو کوئی تیرے اعزا واقربا اور احباب میں سے نہ ہوگا۔ پس حکمِ خداوندی پورا ہو کر رہے گا اور ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

میں یہ لکھ دینا چاہتا ہوں کہ میں بہ اطمینان اور پُرسکون موت مر رہا ہوں۔ حکمِ خدا ایسا ہی تھا اور وہ اٹل ہے اور وہ ہو کر رہے گا۔ موت سب کے لیے ہے اور سب مریں گے۔ دنیاوی تکالیف، مادّی بندشیں اور انسانی قیود سب پیر کے روز ختم

ہو جائیں گی اور میری روح اس قفسِ عنصری سے آزاد ہو جائے گی اور اب دوسری منزل سامنے ہے، دیکھیے وہاں کیسی گزرے۔ یہ اس کی بخشش وکرم پر منحصر ہے۔ سفر درپیش ہے، زادِ راہ پاس نہیں۔ بس اسی کے کرم کی امید پر خوش خوش جارہا ہوں۔ میں آپ سب کو الوداع کہتا ہوا اور خصوصاً آپ کو بقیہ زندگی میں وقفِ نوحہ وبکا کر کے اس طرف جارہا ہوں جہاں سے آیا تھا اور پھر واپس جانے کا ارادہ تھا۔ وعدہ پورا کرنا ہے۔

آپ سب کے سامنے راہِ عمل کیا ہے؟ میں نے بُرا کیا یا اچھا؟ میں اقرار کرتا ہوں کہ میری زندگی کے اتنے برس گمراہی، مصیبت، سیاہ کاری اور گناہوں میں گزرے۔ اس کے لیے میرے دوست، میرے عزیز واقارب، میرے بھائی اور مختصر یہ کہ ہر ہمدرد مسلمان دعائے مغفرت کرے اور آپ سب لوگ صبر کیجیے۔ صبر تلخ است ولیکن بَرِ شیریں دارد!

مجھے ڈر ہے کہ آپ گھبرا نہ جائیں اور یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ جس کی جوان اولاد مر جائے، وہ کیسے صبر کر لے؟ تو سنیے، میری پیاری ماں! خدا نے مجھے آپ کے شکم سے پیدا کیا تھا۔ میری پیدائش پر خوشیاں منائی گئی تھیں، شکرانے ادا کیے گئے تھے اور قصہ مختصر یہ کہ مجھ کو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے اس صلے میں خدا کو کیا دیا؟ اس نے آپ کو ایک انسان کی شکل میں اولاد دی۔ آپ سے جو بھی پوچھتا تھا، آپ یہی کہتی تھیں کہ خدا کا بندہ ہے، خدا نے دیا ہے، اسی کی امانت ہے اور میں امانت دار ہوں۔ پس اب مالک اپنے غلام کو طلب کرتا ہے۔ امانت رکھنے والا اپنی امانت طلب کرتا ہے، آپ خیانت نہ کریں۔ نہ آپ کی چیز تھی، نہ آپ سے چھینی گئی۔ اتنے دن کے واسطے آپ کو دی گئی تھی کہ رکھو، بعد کو ہم واپس لیں گے۔ اب واپس لیے جارہا ہوں۔ پھر آپ کو کیا حق ہے کہ ردوقدح کریں؟

کیا آپ نے یہ سوچا تھا کہ مجھے موت کبھی نہ آئے گی؟ تم بھی جانتی تھیں اور مجھے بھی معلوم تھا کہ ہم تم سب مریں گے، کوئی آگے، کوئی پیچھے۔ یا تو مجھ کو رونا پڑتا تمھارے لیے یا تمھیں میرے لیے۔ لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ بوڑھی ماں جوان اولاد کے لیے روئے گی اور بقیہ تین بھائی اپنے چھوٹے بھائی کا ماتم کریں گے۔ تو کیا آج اس دنیا میں کوئی اتنا طاقت والا ہے کہ اس خداوندِ قدوس کے احکام کو پلٹ دے؟ کوئی نہیں! اپنے خاندان ہی میں کتنی ایسی مائیں ہیں جو بڑھاپے میں جوان اولاد کا داغ کھائے بیٹھی ہیں اور کتنے ہی ایسے بھائی ہیں جو اپنی آنکھیں اپنے بھائی کے لیے سرخ کر چکے ہیں اور کتنی ہی بھاوجیں، بھتیجیاں، بھتیجے، بھانجیاں، بھانجے ہیں جو کہ اپنے بھائی، دیور، چچا اور ماموں کے لیے سینہ کوبی کر چکے ہیں۔

دنیا کا یہی دھندا ہے، دنیا نام ہی اسی کا ہے۔ اگر مرنا نہ ہوتا تو زندگی کا فائدہ ہی کیا تھا۔ اگر رات نہ ہوتی تو دن میں لذّت ہی کیا ہوتی؟ اگر غم نہ ہو تو شادی بمنزلۂ غم ہے۔ غرض کہ دنیا ایک معجونِ مرکّب ہے، جس میں سب ذائقے ہیں۔ عیش ومسرّت، غم واندوہ، آرام وتکلیف، غفلت وبیداری، نیکی وبدی، موت وزیست، غرض ہر چیز یہاں ملے گی۔ پس خوش قسمت ہے وہ جس نے اچھی باتیں قبول کیں اور بُرائیوں سے پرہیز کیا، غفلت پر ہوشیاری کو ترجیح دی اور معبودِ حقیقی کی یاد میں دل لگایا اور ہوشیار رہا۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں نیکی کو قبول کیا اور بدی کو ٹھکرا دیا۔ ابدی آرام کی خاطر نفس پر تکلیف

برداشت کی اور عبادت میں مصروف رہا۔ موت کو پیشِ نظر رکھا اور زیست ہی میں سامانِ آخرت کو جمع کر لیا۔ عیش و مسرّت میں پڑ کر غفلت نہیں کی اور پیش آنے والے غم و اندوہ کا کھٹکا محسوس کرتا رہا۔

پس جس نے ان باتوں کو اختیار کیا اور مصیبت و آرام کو من جانب اللہ تصوّر کیا اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا، مصائب و تکالیف پر صبر کیا اور کہا کہ یہ سب من جانب اللہ ہیں اور ع ہر چہ از دوست می رسد نیکو است

دوست کا دیا ہوا زہر ہلاہل بھی شہدِ مصفا خیال کیا اور صبر کیا، شکر کیا۔ پس اسے راضی کر لیا جو کونین کا مالک اور مشرق و مغرب کا رَب ہے۔ کیا تم اس کی خواہش مند نہیں ہو کہ خدا جو تمھارا پیدا کرنے والا ہے اور جس کے سامنے تمھیں جانا ہے، اپنا دوست کہہ کر پکارے؟ دنیا اس کی متمنّی ہے کہ وہ اپنا دوست کہے۔

آج موت کے سامنے بیٹھا ہوا اشفاق کچھ خواہش نہیں رکھتا۔ مگر ہاں! وہ کہہ دیں کہ ''اشفاق میں تجھ سے راضی ہوں، تو میرا بندہ ہے اور میں نے تیری بندگی کو قبول کر لیا ہے۔'' وہ کہتا ہے: ''اے ایمان والو! مدد مانگو صبر اور نماز سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے!'' (سورۂ بقرہ: ۱۵۳) دوسری جگہ فرماتا ہے: ''(خوش خبری سنا دو، ان صبر کرنے والوں کو)، جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔'' (ایضاً ۵۶-۵۵) پھر فرماتا ہے: ''یہی ہیں جن پر برکات ہیں ان کے رب کی طرف سے اور رحمت ہے۔ یہی لوگ ہدایت والے ہیں، ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

یہ قول آپ کو جنابِ باری تعالیٰ کے لکھ دیتے ہیں۔ اب سمجھنا آپ کا کام ہے۔ آپ کا صبر و شکر آپ کو اس کے دربار میں مقبول و مقرّب کرے گا اور خدانخواستہ اگر آپ حد سے آگے بڑھ گئیں تو آپ خود سمجھ دار اور پڑھی لکھی ہیں۔ آپ کا نالہ و شیون، آہ و زاری، سینہ کوبی مجھ کو زندہ نہیں کر سکتی۔ نہ موت سے بچا سکتی ہے۔ ہاں صبر کرنا، کلمہ و درود پڑھنا اور بخشنا میرے لیے کچھ سود مند ثابت ہو سکتے ہیں۔

پس میری اچھی ماں! میری خطائیں معاف فرما کر مشغول بہ یادِ خدا ہو جاؤ۔ اس کی مرضی یہی تھی۔ اور کون ہے جو اُس کے حکم کو ٹال سکے؟ میں نے آپ کو دُکھ پہنچایا، آپ کا بُڑھاپا برباد کیا، آپ کی زندگی ضیق میں ہو گئی۔ ہاں! ظاہراً اسباب میں سے ایک میں ہوں۔ مگر مولا کی مرضی اور اس کا حکم ہر بات میں پوشیدہ رہتا ہے۔ سمجھ دار ہر بات کو من جانب اللہ سمجھتے ہیں اور ناسمجھ انسانوں کی طرف خیال دوڑاتے ہیں۔

اس سے قبل ایک کارڈ فیصلے کے متعلق ملا ہو گا۔ کیسے مزے کی بات ہے کہ میں اپنے قلم سے اپنی موت کی خبر آپ کو بھیج رہا ہوں۔ میں نے ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی اور وہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ خیر مالک کی مرضی ہی نہ تھی۔ جس میں میرا مقصد بچّوں کے لیے نصیحت کرنا تھا۔ خیر! اُن کے لیے جو میدانِ عمل ہے اور جو سامنے آئے اس پر گامزن ہوں۔ مجھے جو لکھنا ہے، تھوڑا تھوڑا سب کو لکھ دوں گا۔ سب اپنا اپنا مطلب نکال لیں۔ مجھے تو سب سے ضروری آپ کو لکھنا تھا اور یوں تو یہ مضمون واحد تصوّر

کیا جائے۔ سبھوں سے صبر کی گزارش ہے۔ صبر ہی خوشی کی کنجی ہے۔ مجھے بوبو کی پریشانیوں کا بھی علم ہے اور آپ سب کی کوفت میں ایسے وقت میں اضافہ غم کا ہے۔ مگر مولا کی مرضی ٹالی جاسکتی ہے؟ نہیں! وہ ہر صورت سے آزمائش کر رہا ہے۔ تم صبر کو ہاتھ سے نکلنے نہ دو۔ جو دوست کی طرف سے خوشی وغم ملے، مسکراتے ہوئے چہرے اور مطمئن دل کے ساتھ قبول کرو کہ فلاح دینی ودنیوی حاصل کرسکو۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ خط تم کو میری موت سے پہلے ہی مل جائے تا کہ تمھارے دکھ میں کمی ہو جائے اور تم سوچ سکو کہ مرنے والا، کیا بات ہے کہ مرتے ہوئے بھی مطمئن اور خوش ہے:

فنا ہے سب کے لیے ہم پہ کچھ نہیں موقوف　　بقا ہے ایک فقط ذاتِ کبریا کے لیے

آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک کون ایسا ہے جو مَرا نہ ہو۔ جس نے بساطِ عالم پر زندگی کے مُہرے بچھائے، موت کے ہاتھوں ضرور مات کھائی۔ پس اس کا غم بے کار ہے اور آنے والی اور ضرور آنے والی بات کے لیے پریشان ہونا سراسر غلطی ہے۔ اب رہی محبت، ڈاہ، موہ، پریم، یہ سب دنیاوی دھندے ہیں۔ خدا سے محبت کرو، اس کو پوجو جو ہمیشہ زندہ وقائم رہے گا۔ تمھیں اپنی بقیہ زندگی میں کبھی بھی اس کے لیے رونا نہیں پڑے گا۔ بس اسی سے محبت کرو اور اسی کو سمجھو۔ عقلی دلائل، مذہبی مسائل، فلسفیانہ بحث دُکھے ہوئے دل پر نمک مرچ کا کام کرتے ہیں۔

میں خوب جانتا ہوں کہ آپ سوچیں گی کہ میں نے اپنی کرتوتوں سے آپ کا بُڑھاپا خراب کیا اور بھائیوں اور دیگر اعزا کی زندگی دُکھ کی زندگی بنا دی۔ میں نے کیا کیا؟ میں نے کچھ نہیں کیا۔ اس کا حکم روزِ ازل سے ایسا ہی تھا، سو ہو کر رہا۔ جو بات ہونے والی ہوتی ہے، اس کے اسباب پیش تر سے ہونے شروع ہوتے ہیں اور جب اسباب پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں، بات پوری ہو جاتی ہے۔ پس میرے لیے یہ موت کا دن تھا، سو مجھے ملا اور تمھارے لیے دُکھ، بڑھاپے کا دھکّا اور سینہ کوبی لکھی تھی، وہ تمھیں مل رہی ہے۔ جو جس کے لیے اُس نے مناسب سمجھا، وہ اسے تقسیم کر دیا۔ پس کون ہے جو شکوہ کرے اور لبِ شکایت کے واسطے کھولے:

هم رضا کار ہیں ہم پر ہے بہر حال یہ فرض　　شکرِ حق لب پہ رہے، شکوۂ اعدا نہ کریں
مان لیں فیصلۂ دوست کو بے چون وچرا　　فکرِ امروز ہی رکھیں، غمِ فردا نہ کریں

اس نے تم سب کو غم اٹھانے کے لیے منتخب کیا اور مجھے منصورِ وقت بنانے کے لیے چُن لیا۔ اگر تم کو گریۂ یعقوب عطا کیا تو مجھ کو سنّتِ یوسفی ادا کرنے کے لیے پُکارا۔ اگر تم کو ماتم کناں مثلِ خاندانِ نبوی بنانا چاہا، بنا دیا، تو مجھے متبعِ حسین شہیدِ تیغِ جفا کے خطاب سے نوازا۔ اس کی شان نرالی، اس کی ادا انوکھی۔ وہ ہر جگہ نئے رنگ میں، ہر طرف نئے روپ میں جلوہ گر ہے۔ جو کچھ ہُوا، جو ہوگا اور جو کچھ ہو رہا ہے، اسی کی مرضی سے ہو رہا ہے اور ہوگا۔ کون ہے جو سرتابی کرے اور کون ہے جو اُس کے حکم سے باہر جاسکے۔ پس اسی پر نظر رکھو اور صبر وقرار ہاتھ سے نہ جانے دو۔ شکر کرو کہ اس کی امانت اسی کی طرف جا رہی ہے۔ صانع اپنے مصنوع کو بگاڑنا چاہتا ہے۔ پھر تم کون تڑپنے والی ہو۔ اس کی چیز تھی، اسی کو اختیار ہے۔

صبر کرو، صبر، اور بقیہ زندگی کا بیش بہا وقت میرے لیے رونے میں صَرف نہ کرو بلکہ اس سفر کی تیاری میں لگاؤ جو ایک دن درپیش ہے۔ عبادت میں مغفرت ہے۔ گناہوں میں وقت نہ گزارو۔ یہی کام آئے گا، غفلت چھوڑو۔ اب اس کو پکڑو۔ دنیا فنا ہونے والی ہے اور تمھارا ابھی بُوڑھاپا ہے۔ اچھا، میری خطائیں مُعاف کرو اور مجھے اپنے حقوق سے سبک دوش کر تم کو خدا کی دَین میں دیتا ہوں۔ وہ تمھیں نیک بی بی اور صابرہ بی بی بنائے۔ آمین!

بھاوجو اور بھائیو! الفراق بنی وبینکم ! تم آپس میں مل جل کر رہنا اور دکھیا اور بدقسمت ماں کی خدمت میں لگی رہنا اور انھیں بقیہ زندگی کو سکون سے گزارنے کا موقع دینا۔ اگر تم لوگ ایسے ہی آپ میں شکوہ شکایت کرتے رہے اور تمھارے دلوں میں یہ رہی تو پھر کچھ لطف نہیں۔ آپس میں شیر و شکر بن کر رہنا اور جدا نہ ہونا۔ میری تو یہی خواہش ہے اور مجھے معافی دینا، خدا کی مرضی یہی تھی!

بھائیو، تم نے انتہائی کوشش کی لیکن موت اور خدا کا حکم ٹالے نہیں ٹلتا اور پورا ہو کر رہے گا۔ تم بھی مجبور ہو، صبر اور شکر کرنا۔ خدا کی مرضی ہی ایسی تھی۔ میں بتائے دیتا ہوں کہ میں ایک پُرسکون موت مر رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کون سا خیال مجھے مست اور خوش بنائے ہوئے ہے۔ دل اندر سے پھولا چلا آتا ہے۔ مجھے قطعی خیال نہیں گزرتا کہ مجھے پھانسی دی جائے گی۔ مریں گے تو سب ہی، کچھ میں ہی نہیں مر رہا ہوں۔ تم خدا پر نظر رکھو اور بجائے رونے دھونے کے، میرے لیے ایصالِ ثواب میں لگے رہنا۔

زیادہ کیا لکھوں، خدا تم سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مجھ گنہ گار بندے کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

فقط

اشفاق اللہ خاں وارثی

لفظ و معنی

مُلکِ جاودانی	-	ہمیشہ رہنے والا ملک، عاقبت
موقوف	-	التوا میں، وقف کیا گیا، ملتوی کیا گیا
بقا	-	ہمیشگی، دوام، پائداری
نعش	-	لاش، میّت
مادّی	-	دنیوی، اشیا سے متعلق، طبعی، مادّہ سے منسوب
بُکا	-	گڑگڑانا، رونا، گریہ وزاری
صبر تلخ است ولیکن بَر شیریں دارد	-	صبر کڑوا ہوتا ہے لیکن اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے
ردّ و قدح	-	حجّت، بحث، تکرار
قدّوس	-	مقدس، پاک، اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام
سینہ کوبی	-	چھاتی پیٹنا، ماتم کرنا
معجونِ مرکّب	-	ملا ہوا مقوّی حلوہ، مرکّب دوا جو کئی دواؤں کو ملا کر بنائی گئی ہو

غم واندوہ - رنج والم، غم والم
زیست - زندگی
سامانِ آخرت - خدا کے گھر جانے کی تیاری، نیکی، آخرت کی تیاری
ہرچہ از دوست می رسد نیکو است - دوست سے جو کچھ ملتا ہے، اچھا ہوتا ہے
شہدِ مصفّا - اچھا صاف ستھرا شہد
متمنّی - تمنا رکھنے والا، تمنا کرنے والا، خواہش مند
مُقرَّب - قریب کیا گیا، مصاحب، خاص دوست
شیون - نالہ و ماتم، آہ وزاری
درود - وہ دعا اور سلام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جائے
ضیق - تنگی، دشواری
گام زن - چلنے والا، تیز رفتار
کوفت - بے زاری، صدمہ
فلاح - اچھائی، بھلائی
رضا کار - خدمت گار، جس نے اپنی مرضی سے اپنے آپ کو خدمت کے لیے پیش کیا ہو، والنٹیر
بے چون وچرا - بغیر حیلہ وحجت، بغیر کسی عذر کے
امروز - آج
فردا - آنے والا کل
گریۂ یعقوب - حضرت یعقوب علیہ السلام کی آہ وزاری
سنّتِ یوسفی - حضرت یوسف علیہ السلام کی سنّت، حضرت یوسف علیہ السلام کا طریقہ
متبع - پیچھے چلنے والا، پیرو، اتباع کرنے والا
تیغِ جفا - ظلم کی تلوار، ناانصافی کی تلوار
سرتابی - سرکشی، نافرمانی
صانع - بنانے والا
مصنوع - بنایا ہوا، گڑھا ہوا
الفراق بینی وبینکم - اب میرے تمھارے درمیان جدائی ہے (ایک دوسرے سے الگ یا جدا ہوتے وقت بولتے ہیں)
شکررنجی - معمولی سی رنجش، اَن بَن
ایصالِ ثواب - ثواب بھیجنا

صبرِ جمیل - وہ صبر جس پر ثواب ملتا ہے
جوار - پڑوس، ہمسائگی
جوارِ رحمت - رحمت کا قرب

آپ نے پڑھا

- ماں کے نام لکھا گیا بیٹے اشفاق اللہ خاں کا خط آپ نے پڑھا۔ اس خط میں بیٹے کا فرض اور ماں سے محبت دونوں پہلو اُبھرتے ہیں۔ اشفاق اللہ کسی مورچے پر کمزور نہیں ہیں۔ اشفاق اللہ کے کردار میں بلند ہمتی، حق گوئی، صداقت، ثابت قدمی اور صبر و استقامت کے اوصاف کا پتا چلتا ہے۔
- اشفاق اللہ خاں نے اپنی ماں اور اہلِ خاندان کو ذہنی طور پر ان کی شہادت کے لیے تیار ہونے کی تلقین کی ہے۔ انھوں نے سیاسی سوالات نہیں قائم کیے اور نہ ہی سیاسی تاویلیں پیش کی ہیں بلکہ وہ تہذیبی، ثقافتی، ادبی یا مذہبی منطق پیش کرتے ہوئے ملک و قوم کے لیے شہادت کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہیں۔
- اشفاق اللہ خاں شاعر بھی تھے۔ اس مختصر سے خط میں اچھی خاصی شاعرانہ گفتگو موجود ہے۔

آپ بتائیے

1- اشفاق اللہ خاں کی پیدائش اور موت کی تاریخیں بتائیے۔
2- ان کے والدین کے نام درج کیجیے۔
3- دو انقلابیوں کے نام بتائیے جن سے ان کے تعلقات قائم ہوئے۔
4- سرکاری خزانے کو لوٹنے کے کام میں ان کے ساتھ کتنے ساتھی تھے؟
5- انھوں نے اپنی پھانسی سے کتنے دن پہلے اور کس تاریخ کو اپنی ماں کے نام خط لکھا؟
6- انھوں نے ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ کیا وہ تکمیل کو پہنچ سکی؟
7- یہ مکتوب اشفاق اللہ خاں وارثی نے کسے لکھا ہے؟ مکتوب الیہ کا نام بتائیے۔
8- پیشِ نظر خط میں مکتوب نگار نے سبھوں سے کیا گزارش کی ہے؟

درج ذیل لفظوں کے صیغۂ واحد لکھیں

اعزہ........	اقربا........	احباب........	خزائن........
تکالیف........	قیود........	مصائب........	اعدا........
برکات........	اسباب........	دلائل........	حقوق........

مختصر گفتگو

1- خط کی ابتدا میں اشفاق اللہ خاں نے جو شعر درج کیا ہے، اپنے لفظوں میں اس کی تشریح کیجیے۔
2- اپنی والدہ کو صبر کی تلقین کرنے کے پیچھے کون سا مقصد مکتوب نگار کے ذہن میں کارفرما ہے؟
3- موت کی گھڑیاں نزدیک ہونے کے باوجود اشفاق اللہ خوش ہیں۔ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟
4- مذہب اسلام کی تاریخ سے جڑی کچھ اصطلاحیں مکتوب نگار اپنے خط میں استعمال کر رہا ہے۔ جیسے گریۂ یعقوب، سنتِ یوسفی وغیرہ۔ ایسی کچھ دوسری اصطلاحیں اپنی نصابی کتاب سے منتخب کریں اور اُن کی وضاحت کریں۔
5- انھیں پھانسی کی سزا کیوں دی گئی؟
6- ان کے خط سے ان کی شخصیت اور کردار پر کیا روشنی پڑتی ہے؟-

تفصیلی گفتگو

1- اشفاق اللہ خاں کو شہیدِ وطن کیوں کہا جاتا ہے؟
2- انھوں نے اپنی ماں کو یہ خط کیوں لکھا؟
3- خط میں پیش کیے گئے اہم نکات کو واضح کیجیے؟
4- ان کے خط میں زندگی اور موت کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے؟
5- اس خط کو پڑھ کر آپ کے ذہن میں اشفاق اللہ خاں کی کیسی تصویر ابھرتی ہے؟
6- کیا اشفاق اللہ خاں اور ان کے ساتھیوں نے صحیح کام کیا تھا؟ آپ اپنی دلیل دیجیے۔
7- ہم رضا کار ہیں ہم پر ہے بہر حال یہ فرض — شکر حق لب پہ رہے، شکوۂ اعدا نہ کریں
مان لیں فیصلۂ دوست کو بے چون وچرا — فکر امروز ہی رکھیں، غمِ فردا نہ کریں
(الف) اس خط میں درج کیے گئے ان اشعار کی تشریح کیجیے۔
(ب) ان اشعار کا اشفاق اللہ خاں کی زندگی سے کیا تعلق ہے؟

آیئے کچھ کریں

1- جنگِ آزادی میں بہت سارے لوگوں نے جیل سے اپنے اعزّا و اقربا کو خطوط لکھے جو مختلف ناموں یا عنوانات کے تحت کتابی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ ایسی کتابوں کی ایک فہرست تیار کیجیے اور لائبریری سے اُنھیں حاصل کر کے ان میں سے پسندیدہ خطوط کی نقل تیار کیجیے۔
2- اس خط کو ڈرامے کی شکل میں منتقل کیجیے اور اسکول کے پروگرام میں اسے اسٹیج کر کے دکھایئے۔

مختصر افسانہ

مختصر افسانے کو زندگی کی ایک قاش کہا گیا ہے۔ قصہ گوئی کی وہ مختصر صورت جس میں زندگی اختصار اور ایجاز کے ساتھ سما جائے، وہ صنف مختصر افسانہ ہے۔ مختصر افسانے کی ایک مشہور تعریف مغرب میں یہ کی گئی کہ وہ تحریری قصہ جسے ایک نشست میں پڑھ لیا جائے، مختصر افسانہ ہے۔ عام طور سے یہ تسلیم شدہ ہے کہ فکشن کی یہ سب سے مختصر شکل ہے۔ جس میں قصہ، پلاٹ، کردار، نقطۂ عروج، زمان ومکاں جیسے تمام عناصر کے ساتھ ایک لازمی عنصر وحدت تاثر ہوتا ہے۔ کامیاب افسانے میں واقعات کی پیش کش میں وحدتِ تاثر یا واقعاتی مرکز پر اتحاد کے بغیر اچھا افسانہ نہیں لکھا جاسکتا۔ اسی لیے بعض نقادوں نے اسے ''چاول پر قل ھواللہ'' لکھنے کا فن قرار دیا ہے۔

سجاد حیدر یلدرم نے اردو میں سب سے پہلے مختصر افسانے کی داغ بیل ڈالی۔ ان کا پہلا افسانہ ''نشے کی پہلی ترنگ'' 1900ء میں شائع ہوا۔ 1904ء میں علی محمود کے افسانے ''چھاؤں'' کی اشاعت ہوئی لیکن 1907ء سے جب پریم چند کے افسانے منظرِ عام پر آنے لگے اور خاص طور سے جب ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' (1908ء) ضبط ہوا، اس وقت اردو افسانے نے ایک نئی جست لی۔ پریم چند کے یہاں خیالی قصّے کہانیوں میں ہم عصر زندگی اور سماج کے تمام ضروری مسائل شامل ہو گئے۔ حالاں کہ سجاد حیدر یلدرم اور ان کے بعض رفقا نے رومانی افسانے لکھنے کا سلسلہ قائم رکھا جن میں نیاز فتح پوری، ل۔ احمد، مجنوں گورکھ پوری، مرزا ادیب، حجاب اسمٰعیل اہم ہیں۔

پریم چند کے زیرِ اثر ترقّی پسند افسانہ نگاروں کا ایک پورا قافلہ سامنے آیا۔ سجاد ظہیر، احمد علی، رشید جہاں اور محمود الظفر کے افسانے ''انگارے'' (1932ء) میں شامل ہوئے۔ کرشن چندر، بیدی، منٹو اور عصمت چغتائی نے آزادی سے پہلے ہی اردو افسانے میں اپنا مقام متعین کرا لیا۔ احمد ندیم قاسمی، حیات اللہ انصاری، سیّد محمد محسن، اپندر ناتھ اشک، دیوندر ستیارتھی اور غلام عباس جیسے ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اس عہد میں اپنا مقام بنایا۔ جدیدیت کے زمانے میں غیاث احمد گدّی، سریندر پرکاش وغیرہ نے جدید افسانے کی علامتی فضا قائم کی۔ 1970ء کے بعد افسانے میں علامت نگاری کے عناصر کو کم کرتے ہوئے روایتی بیانیے کی طرف واپسی کو اہمیت دی گئی۔ اس انداز کے افسانے سب سے پہلے سلام بن رزّاق نے لکھے۔ 1970ء کے بعد جن افسانہ نگاروں کی واضح شناخت قائم ہوئی ان میں طارق چھتاری، سید محمد اشرف، شوکت حیات، حسین الحق، عبد الصمد، شفق، انور خاں، ساجد رشید وغیرہ اہم ہیں۔ 1980ء کے بعد خواتین افسانہ نگاروں میں غزال ضیغم اور ترنم ریاض نے اپنے امتیازات واضح کیے۔

اردو مختصر افسانے کی عمر بس ایک صدی کی ہے۔ ادب کی تاریخ میں سو برس ایک مختصر وقفہ ہے لیکن اس صنف نے اتنی ترقّی کی جس کے سبب اردو کا دامن وسیع ہوا۔ وقت کے بدلنے کے ساتھ بہت طرح کی تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور افسانے کے اطوار بھی بدلتے رہے لیکن پریم چند نے جس بیانیہ اور سادہ زبان کو افسانے کے لیے آزمایا تھا، وہ اردو افسانے کا سب سے کارگر ہتھیار ثابت ہوا۔ کم وبیش وہ زبان اور تکنیک اب بھی افسانہ نگاروں کے لیے سب سے مرغوب ہے۔